فقہ الاقلیات

تعارف، اصول اور تطبیق

ڈاکٹر صلاح الدین سلطان

(مشیر شرعی برائے اسلامی امور، مملکت بحرین)

ایفا پبلی کیشنز- نئی دہلی

نام کتاب:	فقہ الاقلیات-تعارف، اصول اور تطبیق
مولف:	ڈاکٹر صلاح الدین سلطان
مترجم:	مولانا محمد ہشام الحق ندوی
کمپوزنگ:	محمد سیف اللہ
سن طباعت:	فروری ۲۰۱۲ء
صفحات:	۱۲۸
قیمت:	۹۰/روپے

ناشر

ایفا پبلیکیشنز

۱۶۱-ایف بیسمنٹ، جوگابائی، پوسٹ باکس نمبر: ۹۷۰۸

جامعہ نگر، نئی دہلی-۱۱۰۰۲۵

ای میل: ifapublication@gmail.com

فون: 011 - 26981327

بسم الله الرحمن الرحيم

فہرست

پیش لفظ ۷

پہلی فصل: مقالہ میں مذکور اصطلاحات ۹-۲۶

اول-ضوابط کا لغوی اور اصطلاحی مفہوم ۱۱

دوم-منہجیت کا لغوی اور اصطلاحی مفہوم ۱۲

سوم- اجتہاد کا لغوی اور اصطلاحی مفہوم ۱۶

چہارم- فقہ کا لغوی اور اصطلاحی مفہوم ۱۷

پنجم- اقلیات کا لغوی اور اصطلاحی مفہوم ۲۱

اقلیت کی تعریف کے سلسلہ میں میری ترجیح ۲۳

دوسری فصل: مسلمان اقلیتوں کی فقہ سے متعلق اجتہاد کے منہجی ضوابط ۲۷-۸۶

پہلا ضابطہ- ہم وطنی کے تصور کا استحکام ۳۰

دوسرا ضابطہ- وطن کی فلاح وبہبود سے متعلق اپنی ذمہ داریوں کا پختہ شعور ۳۹

تیسرا ضابطہ-نص اور عملی صورت حال دونوں کے بیک وقت گہرے فہم کی ضرورت واہمیت ۴۷

چوتھا ضابطہ- عمومی مسائل کے حل میں اجتماعی اجتہاد کی طرف رجوع ۵۳

پانچواں ضابطہ- اجتہاد میں شرعی دلیل کے ساتھ قلبی خشیت کی موجودگی ۵۷

چھٹا ضابطہ-عبادات اور معاملات دونوں میں ''فقہ المقاصد'' کو بنیادی حیثیت دینا ۶۲

ساتواں ضابطہ- اندرونی وسائل اور بیرونی حالات کے مطابق ترجیحات کالحاظ ۶۹

آٹھواں ضابطہ- مختلف مسالک کی باہمی قربت اور اجتہاد میں انتخاب یا تخلیقیت ۷۴

نواں ضابطہ-''فقہ التیسیر ''(آسانی پر مبنی فقہ) کا انتخاب اور تدریج کی رعایت ۷۹

دسواں ضابطہ- اقلیتوں کی مخصوص صورت حال کے پیش نظر ممنوعات کے
شرعی متبادل کے سلسلہ میں اجتہاد ۸۴

تیسری فصل: ''فقہ الاقلیات'' سے متعلق اجتہاد کے ضوابط اور ان کی رعایت ۸۷-۱۲۱

اول- غیر مسلم ممالک میں رہائشی مکانات کی خریداری سے متعلق یورپی کونسل کا فتوی ۸۹

دوم- اونچی ڈگری والے ممالک میں نماز اور روزہ کے اوقات ۹۸

سوم- عربی کے علاوہ کسی زبان میں جمعہ کا خطبہ ۱۰۴

چہارم-غیر مسلم رشتہ داروں کے جنازہ میں شرکت ۱۰۶

پنجم- غیر مسلموں کے قبرستان میں مسلمان کی تدفین ۱۰۹

ششم- قربانی کے جانور سے متعلق عمر کی شرط ۱۱۲

ہفتم- کیٹرینا کے طوفان زدہ امریکیوں کی مالی مدد ۱۱۴

خلاصہ بحث ۱۲۲

مصادر ومراجع ۱۲۵

پیش لفظ

دنیا میں مسلمان اقلیتوں کی تعداد نصف ارب سے زائد ہے، یہ ایک واقعہ ہے کہ امت مسلمہ نئے عالمی نظام میں ایک کمزور اقلیت ہے، اس لئے ضروری ہے کہ ان نئے حالات میں شرعی موضوعات پر بحث وتحقیق کے دوران اور مناہج واصول اجتہاد وضع کرتے وقت پوری امت اور بہ طور خاص مسلمان اقلیتوں کو پیش نظر رکھا جائے، اگر ایک طرف شریعت کے تفصیلی احکام اصولی مناہج، فکری ضوابط اور طریقہ ہائے استنباط کے عقلی رہنما خطوط کا نتیجہ ہیں تو دوسری طرف ان ضوابط کی شرح وتوضیح ایک شرعی فریضہ اور ایک عملی ضرورت ہے، کیونکہ معاصر مسلمان معاشرہ کے انتشار یا اس کے مغربی معاشرہ میں تحلیل ہوجانے، اپنے آپ میں سمٹ جانے، الگ تھلگ پڑجانے اور محتاجی، پس ماندگی اور غلامی پر قانع ہوجانے کی اصل وجہ بعض ارباب اجتہاد یا مفتی حضرات کے منہج اور زاویہ نظر میں پائی جانے والی خرابی ہے۔

میں نے یہ مقالہ یوروپی کونسل برائے افتاء وتحقیق جس کے رکن ہونے کا شرف مجھے حاصل ہے، کی دعوت پر تیار کیا ہے۔ کونسل نے مسلمان اقلیتوں سے متعلق مناہج اجتہاد اور اس سلسلہ کی بنیادی تحقیقات کو اپنا موضوع بنایا ہے۔ یہ مقالہ تین ابواب پر مشتمل ہے:

پہلا باب تمہیدی نوعیت کا ہے، اس میں اس موضوع کی اصطلاحات پر از روئے لغت واصطلاح بحث کی گئی ہے۔

دوسرے باب میں ''فقہ الاقلیات'' سے متعلق اجتہاد کے دس ضوابط بیان کئے گئے ہیں اور آخری باب میں ان ضوابط کے مطابق ''فقہ الاقلیات'' سے متعلق اجتہاد کے عملی اور تطبیقی نمونے پیش کئے گئے ہیں۔

ان میں سے بیش تر ضوابط اگر چہ ''فقہ الأغلبیۃ'' (اکثریت سے متعلق فقہ) میں استعمال کئے جاتے ہیں تاہم ''فقہ الاقلیات'' میں ہم وطنی کے تصور کو پختہ اور مستحکم کرنے کی ضرورت زیادہ ہے، کیونکہ بیشتر مسلمان اقلیتیں غیر اسلامی نظام اور ممالک کے تحت زندگی بسر کررہی ہیں۔ یہ صورت حال ان مسلمانوں میں اپنے اس معاشرہ سے علاحدگی کا احساس پیدا کرتی ہے جس میں وہ رہ رہے ہیں۔ اسی طرح ''فقہ المقاصد''، ''فقہ ترجیحات'' اور ایک ایسی زندگی کے متبادل پر غور ہونا چاہئے جو کلی طور پر اسلام سے دور ہو۔

ان ہی وجوہ سے ''فقہ الاقلیات'' کے مذکورہ ضوابط پر خاص توجہ مرکوز کی گئی ہے۔ یہ ضوابط مجموعی طور پر نہ عمومی فقہ سے خارج ہیں اور نہ رخصت پسندانہ یا اباحیت پسندانہ فقہ (جیسا کہ بعض حضرات کا خیال ہے) کا مصداق ہیں۔ بہرحال یہ ایک نقطہ نظر ہے جو میں نے پیش کیا ہے، اگر میں نے اچھا کیا ہے تو اس پر اللہ تعالی کا شکر ادا کرتا ہوں اور یہ محض اس کا فضل واحسان ہے اور اس میں غلطی ہوئی ہے تو یہ میری اور شیطان کی طرف سے ہے، اس پر میں اللہ تعالی سے عفو کا طالب اور اپنی علماء برادری کی طرف سے تصحیح واصلاح کا خواہش مند ہوں۔ امید ہے کہ اللہ تعالی ہمیں کسی ایسے موقف پر متحد فرمادے گا جو پوری امت مسلمہ کے لئے خواہ اس کا تعلق مسلم ممالک سے ہو یا غیر مسلم ممالک سے، باعث خیر وسعادت ہو۔ وہ بہتر کارساز اور اچھا مددگار ہے۔

صلاح الدین سلطان

ڈیئربارن-مشی گن

پہلی فصل: مقالہ میں مذکور اصطلاحات

اول-ضوابط کا لغوی اور اصطلاحی مفہوم

دوم-منہجیت کا لغوی اور اصطلاحی مفہوم

سوم-اجتہاد کا لغوی اور اصطلاحی مفہوم

چہارم- فقہ کا لغوی اور اصطلاحی مفہوم

پنجم-اقلیات کا لغوی اور اصطلاحی مفہوم

پہلی فصل:

مقالہ میں مذکور اصطلاحات

اول-ضوابط کا لغوی اور اصطلاحی مفہوم(۱)

ضوابط کا لغوی مفہوم

ضوابط ضابط کی جمع ہے، یہ ضبط الشیئ سے ماخوذ ہے۔ اس کے معنی ہیں احتیاط سے کسی چیز کی حفاظت کرنا، الرجل ضابط کا مفہوم ہے: آدمی دور اندیش ہے۔ أضبط اس شخص کو کہتے ہیں جو اپنے دونوں ہاتھوں سے کام کرتا ہو، کہا جاتا ہے کہ الضبط کے معنی ہیں: کسی چیز کا ساتھ لگ جانا اور اس کا روک لینا۔ لیث کہتے ہیں: ضبط کا مفہوم ہے: ایسی چیز کا ساتھ ہونا جو کسی بھی حال میں جدا نہ ہو۔ ضبط الشئ کا مفہوم ہے: احتیاط کے ساتھ کسی چیز کی حفاظت کرنا۔ کہا جاتا ہے: رجل ضابط وضبطنی یعنی طاقتور اور توانا آدمی۔ کہتے ہیں: ضبط البلاد وغیرھا اس نے ملک وغیرہ کا انتظام اس طرح سنبھالا کہ اس میں کوئی کمی نہیں ہے۔ ضبط الکتاب کا مفہوم ہے: اس نے کتاب کی غلطیوں کی تصحیح کی، ان کی اصلاح کی اور کتاب پر اعراب لگایا۔ جدید استعمال کے مطابق ضبط المتھم کا مطلب ہے: ملزم گرفتار ہوا۔

ضبط ضبطاً کا مطلب ہے کہ اس نے اپنے بائیں ہاتھ سے بھی اسی طرح کام کیا جس طرح وہ اپنے دائیں ہاتھ سے کرتا ہے۔ اسی سے صفت کا صیغہ ہے: أضبط اور اس کا

۱- المعجم الوسیط مادہ ضبط ۱/ ۵۵۳، مجمع اللغۃ العربیۃ -تاریخ درج نہیں، نیز ملاحظہ ہو: لسان العرب مادہ ضبط از علامہ ابو الفضل جمال الدین محمد بن مکرم ابن منظور افریقی مصری- دار الفکر طبع اول ۱۴۱۰ھ ۱۹۹۰ء أساس البلاغۃ از زمخشری مکتبۃ لبنان ناشرون، مادہ ضبط۔

مؤنث ضبطاء ہے۔

ضابطہ کے معنی ہیں: **قوت ماسکہ**، لفظ ضابطہ کا استعمال بریک (BRAKE) کے لئے بھی درست ہے۔ اس کی جمع ضوابط ہے۔ مضبطۃ اس رجسٹر کو کہتے ہیں جس میں سرکاری اجلاس کی کاروائیاں درج کی جاتی ہیں، جیسے کہا جاتا ہے: **مضبطة مجلس الأمة** (پارلیامنٹ کا کاروائی رجسٹر)، **مضبطة محكمة الأحوال الشخصية** (لازمی اعداد وشمار سے متعلق عدالت کا کاروائی رجسٹر)، اس کی جمع مضابط ہے۔ یہ اس لفظ کے استعمال کی نئی شکل ہے۔

ضوابط کا اصطلاحی مفہوم:

اصطلاح میں ضابط سے مراد وہ کلی حکم ہے جو اپنی جزئیات پر منطبق ہو، اس کی جمع ضوابط ہے، ضابط محکمہ فوج اور پولس کا ایک منصبی لقب ہے۔ اس کی جمع ضباط ہے۔ کہا جاتا ہے: رجل ضابط یعنی فلاں آدمی طاقتور اور توانا ہے۔ یہاں ضوابط سے میری مراد وہ دائرہ ہے جو مسلمان اقلیتوں کی فقہ سے متعلق اجتہاد کرتے وقت لازماً فقیہ کے سامنے رہتا ہے، اس سے انحراف یا اس کی جزئیات میں الجھنا فقیہ کے لئے جائز نہیں ہوتا یعنی فقیہ نہ اتنا تنگ نظر ہو کہ وسعت اور رفع حرج کے قواعد تک کو نظر انداز کردے اور نہ اتنا آزاد خیال ہو کہ استنباط کے شرعی اصول وقواعد کا بھی پابند نہ رہے۔

دوم- منہجیت کا لغوی اور اصطلاحی مفہوم

منہجیت کا لغوی مفہوم

اس کا مادہ نہج ہے۔ زمخشری کہتے ہیں(۱): نہج کا مطلب ہے: اس نے نہج (راستہ) منہج اور منہاج اختیار کیا۔ کہا جاتا ہے: **طريق نهج** (سیدھا اور واضح راستہ)، **طرق نهجة**

۱- اساس البلاغۃ از زمخشری مادہ نہج۔

(سیدھے اور واضح راستے)۔ نھجت الطریق کا مفہوم ہے: میں نے راستہ کو واضح کیا۔ انتھجت الطریق کا مطلب ہے: میں نے واضح راستہ پالیا۔ ابن منظور مصری (۱) کہتے ہیں: أنھج الطریق کا مفہوم ہے: راستہ واضح، صاف اور ظاہر ہوگیا۔ یزید بن الخذاق العبدی کہتا ہے: ولقد أضاء لک الطریق، وأنھجت سبل المکارم، والھدی تعدی (یقیناً تمہارے لئے راستہ واضح ہوگیا، نیک کاموں کے راستے روشن ہوگئے اور رہنمائی سے انہیں تقویت حاصل ہونے لگی)۔ منہاج صاف راستہ کو کہتے ہیں: استنھج الطریق کا مفہوم ہے: راستہ صاف ہوگیا۔ حضرت عباسؓ کی حدیث میں ہے: "لم یمت رسول اللہ ﷺ حتی ترککم علی طریق ناھجة" (آپ ﷺ کی وفات اس وقت تک نہیں ہوئی جب تک آپ ﷺ نے امت کو ایک واضح اور روشن شاہراہ پر نہیں چھوڑ دیا)(۲)۔

المعجم الوسیط میں ہے: نھج الطریق نھجاً ونھوجاً راستہ واضح ہوگیا، صاف ہوگیا۔ اس نے راستہ کو واضح کیا اور اس پر چلا۔ استنھج الطریق کا مطلب ہے: راستہ صاف ہوگیا۔

منہاج کے معنی ہیں: واضح راستہ۔ قرآن کریم میں ہے: "لکل جعلنا منکم شرعة ومنھاجاً" (سورہ مائدہ ۴۸)(تم میں سے ہر ایک کے لئے ہم نے ایک (خاص) شریعت اور راہ رکھی تھی)۔

منہاج وضع کردہ منصوبہ کو بھی کہتے ہیں۔ یہ جدید استعمال ہے۔ اسی سے ہے: منھاج الدراسة (مطالعہ کا نصاب)، منھاج التعلیم (نظام تعلیم) وغیرہ، اس کی جمع مناہج ہے۔

قرآن میں لفظ منہاج صرف ایک مقام پر وارد ہوا ہے یعنی مذکورہ آیت میں جو سورہ مائدہ کی ہے۔

میں اس آیت سے یہ سمجھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس میں ہم سے یہ کہنا چاہتا ہے کہ ایک چیز

۱- لسان العرب از ابن منظور مادہ نہج، دار الفکر طبع اول ۱۴۱۰ھ/ ۱۹۹۰ء

۲- غریب الحدیث از ابو الفرج ابن الجوزی ۱/ ۷۴۔

ہے: شرعۃ یعنی تفصیلی احکام اور ایک چیز ہے منہاج یعنی ان شرعی احکام کے استنباط کے طریقے۔ شرعۃ اور منہاج یا تفصیلی احکام اور فکری مناہج کے درمیان فرق سے متعلق اپنی رائے کی وضاحت کے لئے میں مندرجہ ذیل دو مثالیں پیش کرتا ہوں:

۱-آیت وضو: "یا أیها الذین آمنوا إذا قمتم إلی الصلاۃ فاغسلوا وجوهکم وأیدیکم إلی المرافق وامسحوا برؤوسکم وأرجلکم إلی الکعبین وإن کنتم جنباً فاطهروا وإن کنتم مرضی أو علی سفر أو جاء أحد منکم من الغائط أو لامستم النساء فلم تجدوا ماء فتیمموا صعیداً طیباً فامسحوا بوجوهکم وأیدیکم منه ما یرید الله لیجعل علیکم من حرج ولکن یرید لیطهرکم ولیتم نعمته علیکم لعلکم تشکرون" (سورہ مائدہ ۶) (اے ایمان والو! جب تم نماز کو اٹھو تو اپنے چہروں اور اپنے ہاتھوں کو کہنیوں سمیت دھولیا کرو اور اپنے سروں پر مسح کرلیا کرو اور اپنے پیروں کو ٹخنوں سمیت (دھولیا کرو) اور اگر تم حالت جنابت میں ہو تو (سارا جسم) پاک صاف کرلو اور اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی استنجاء سے آئے یا تم نے عورت سے صحبت کی ہو پھر تم کو پانی نہ ملے تو پاک مٹی سے تیمّم کرلیا کرو یعنی اپنے چہروں اور ہاتھوں پر اس سے مسح کرلیا کرو، اللہ تعالیٰ نہیں چاہتا کہ تمہارے اوپر کوئی تنگی ڈالے، بلکہ وہ (تو یہ) چاہتا ہے کہ تمہیں خوب پاک صاف رکھے اور تم پر اپنی نعمت پوری کرے تا کہ تم شکرگزاری کرو)، اس آیت میں وضو، غسل اور تیمّم کے بارے میں تفصیلی احکام مذکور ہیں۔ یہ احکام ان ہی امور کے ساتھ خاص ہیں۔ آیت کے آخر میں متعدد احکام کے استنباط کا طریقہ ذکر کیا گیا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: "ما یرید الله لیجعل علیکم من حرج ولکن یرید لیطهرکم"۔ اس آیت کے تحت بے شمار احکام مستنبط کئے جاسکتے ہیں یعنی تیسیر اور رفع حرج کے ضابطہ کے تحت جو شرعی استنباط کا ایک قاعدہ قرار پا چکا ہے۔ اس آیت کے پہلے جزء جو جزئی احکام سے متعلق ہے اور آخری جزء جو بھی قواعد سے متعلق ہے،

کے درمیان پائے جانے والے فرق سے شرعۃ اور منہاج کا فرق واضح ہو رہا ہے۔

۲- دوسرے کی طرف سے حج کرنے کے بارے میں وارد حدیث: بخاری نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباسؓ سے یہ روایت ذکر کی ہے کہ قبیلہ جہینہ کی ایک عورت رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئی اور اس نے عرض کیا کہ میری ماں نے حج کی نذر مانی تھی لیکن حج کی ادائیگی سے پہلے ہی اس کا انتقال ہوگیا تو کیا میں اس کی طرف سے حج کرسکتی ہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں تم اس کی طرف سے حج ادا کرو۔ تمہارا کیا خیال ہے اگر تمہاری ماں کے ذمہ کوئی قرض ہوتا تو تم اس کی طرف سے اسے ادا کرتی یا نہیں، اللہ کا قرض ادا کرو، اللہ اس بات کا زیادہ مستحق ہے کہ اس کا قرض ادا کیا جائے۔

یہاں حدیث کے شروع میں آپ ﷺ نے اس عورت کو اپنی ماں کی طرف سے حج ادا کرنے کے متعلق سوال کا جواب دیا جو ایک تفصیلی حکم ہے اور اس کے آخر میں آپ ﷺ نے اس عورت کے لئے اور ہمارے لئے وہ منہج اور طریقہ واضح فرمایا جس سے اس تفصیلی حکم کا استنباط کیا گیا یعنی قیاس۔ یہاں شرعۃ اور منہاج کا فرق یہ ہے کہ شرعۃ دوسرے کی طرف سے حج کی ادائیگی ہے اور منہاج شرعی استنباط میں قیاس کا استعمال ہے۔

منہجیت کا اصطلاحی مفہوم

اس تفصیل کی روشنی میں منہجیت سے میری مراد وہ بنیادیں اور قواعد ہیں جن پر تفصیلی احکام کی بنا ہوتی ہے۔ لغت کے اشارات سے بھی مجھے یہی معلوم ہوتا ہے کہ مجتہد کے ذہن میں منہج کا واضح ہونا ضروری ہے۔ یعنی شریعت کے اعلیٰ مراجع کتاب اور سنت ہیں، ان کے بعد ان اجتہادی دلائل کا درجہ ہے جو قیاس، مصالح، مقاصد، ترجیحات اور تقابل پر مبنی ہوتے ہیں۔ فقیہ کے لئے جائز نہیں کہ نئے مسائل پر بحث وتحقیق کے دوران یا فتوی دیتے وقت ان مناہج کو نظر انداز کرے۔

سوم-اجتہاد کا لغوی اور اصطلاحی مفہوم:

اجتہاد کا لغوی مفہوم

اجتہاد کوشش اور کسی چیز کی تلاش میں جدوجہد کو کہتے ہیں۔ یہ جہد بمعنی طاقت سے باب افتعال کا مصدر ہے۔ اس کا مادہ جهد ہے۔ جہد کا ایک مفہوم مشقت بھی بتایا گیا ہے۔

لیث کہتے ہیں: جَهد (جیم کے زبر کے ساتھ) سے مراد وہ بیماری یا پر مشقت کام ہے جو انسان کو تھکا دے، ایسا انسان مجہود ہے۔ تم کہتے ہو: جهدت جهدی، اجتهدت رأيي ونفسي حتى بلغت مجهودي (میں نے اپنی ممکن کوشش کر ڈالی، میں نے اپنی رائے پر حتی الامکان غور کیا، میں نے اپنی طرف سے حتی الوسع کوشش کر لی یہاں تک کہ میں نے اپنا مقصود پا لیا)۔ لیث مزید کہتے ہیں: جهدت فلاناً اس وقت کہا جاتا ہے جب کوئی کسی کو مشقت میں ڈال دے اور کسی کام کے کرنے پر مجبور کر دے۔ ابن السکیت کہتے ہیں: جهد کے معنی ہیں مقصود۔ فراء کہتے ہیں: بلغت به الجهد کا مفہوم ہے: میں اس کام میں مقصود تک پہنچ گیا۔ جهد الرجل فی کذا کا مطلب ہے: آدمی نے فلاں کام کے سلسلہ میں خوب محنت اور جدوجہد کی (۱)۔

ان لغوی معانی سے میرے سامنے اجتہاد کا جو مفہوم آتا ہے وہ یہ کہ اجتہاد مطلوبہ مقصد کو حاصل کرنے کے لئے ایک ایسے طریقہ پر ممکن حد تک کوشش کرنے کا نام ہے جو مشقت کا احساس دلائے۔ اس لحاظ سے یہ ایک پر از مشقت عمل ہے۔ چنانچہ کہا جاتا ہے: اجتهدت فی حمل صخرة (میں نے ایک چٹان کو اٹھانے کی انتہائی کوشش کی)۔ اس کے برعکس یہ نہیں کہا جاتا: اجتهدت فی حمل حبة (میں نے ایک دانہ کو اٹھانے کی ممکن کوشش کی)۔

۱- اساس البلاغۃ از زمخشری، لسان العرب از ابن منظور مصری۔

اجتہاد کا اصطلاحی مفہوم

اجتہاد کا لغوی معنی بھرپور طریقہ سے اس کے اصطلاحی معنی کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ اہل اصول کی طرف سے ذکر کی گئیں اس کی تمام تعریفات اسی کے گرد گھومتی ہیں یعنی یہ کہ اجتہاد تفصیلی دلائل سے کسی شرعی حکم کے استنباط کے سلسلہ میں کی جانے والی انتہائی کوشش کا نام ہے یا جیسا کہ شوکانی نے ذکر کیا ہے یہ کسی درست بات پر دلالت کرنے والی علامتوں کے ذریعہ اس کی تلاش وجستجو کو کہتے ہیں تا کہ کسی شرعی حکم کا ظن حاصل ہو سکے (۱)۔

اس تفصیل کی روشنی میں اجتہاد سے میری مراد مندرجہ ذیل امور ہیں:

۱-استنباط کے سلسلہ میں انتہائی کوشش کرنا

۲-استنباط اور اجتہاد کے عمل میں تمام شرعی اور لغوی قواعد کا استعمال کرنا۔

۳-مقصد اس نتیجہ تک پہنچنا ہے کہ اس بات کا غالب گمان ہو جائے کہ زیر بحث مسئلہ میں اللہ کا حکم یہی ہے۔

۴-کوشش خواہ کتنی ہی زیادہ ہو اور صلاحیت اجتہاد کتنی ہی زیادہ پختہ اور مضبوط ہو اس کے نتیجہ میں صادر ہونے والا حکم بہر حال ظنی ہی رہے گا، اسے بے خطا قرار نہیں دیا جا سکتا، لہذا اس میں خطا اور صواب دونوں کا امکان رہے گا۔

چہارم- فقہ کا لغوی اور اصطلاحی مفہوم

فقہ کا لغوی مفہوم

اس لفظ کا مادہ فَقِهَ ہے۔ اس کا معنی جیسا کہ صاحب لسان کہتے ہیں کسی چیز کا ادراک، اس کا علم اور اس کا گہرا فہم ہے۔ یہ لفظ زیادہ تر شریعت اور اصول دین کے علم کے لئے استعمال ہونے لگا۔

۱- ارشاد الفحول الی تحقیق الحق من علم الاصول از محمد بن علی الشوکانی، المطبعۃ المنیریہ، مصر ۲/۲۱۶۔

فقہ اصل میں گہرے فہم وشعور سے عبارت ہے۔کہا جاتا ہے: أوتی فلان فقهاً فی الدین یعنی فلاں کو دین کی سمجھ عطا کی گئی۔ اسی معنی میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "لیتفقهوا فی الدین" (سورہ توبہ: ۱۲۲) اس کا مفہوم ہے: تاکہ وہ دین کا علم رکھنے والے بنیں، اس کو سمجھنے والے بنیں۔آپ ﷺ نے حضرت ابن عباسؓ کے لئے اسی کی دعا فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا: "اللهم علمه الدین وفقهه التأویل" (۱) (اے اللہ! اس کو دین کا علم اور قرآن کا فہم عطا فرما)۔

فقه فقهاً کا مطلب ہے: اس نے علم حاصل کیا۔ رجل فقیه کا مطلب ہے: جاننے والا، ہر وہ شخص جو کسی چیز کا علم رکھتا ہو فقیہ ہے۔اسی معنی میں عرب کہتے ہیں: فلان ما یفقه وما یتفقه (فلاں علم رکھتا ہے اور نہ فہم)۔فقیہ العرب کے معنی ہیں: عرب کا عالم۔تفقہ کا مطلب ہے: اس نے علم فقہ کا استعمال کیا (۲)۔

قرآن کریم میں بیس مقامات پر لفظ فقہ کو گہرے فہم کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے (۳)۔ مجھے جو چیز واضح طور پر نظر آتی ہے، وہ یہ کہ ان بیس میں سے سولہ مقامات سے یہ ظاہر

۱- مسلم کتاب فضائل الصحابۃ، باب فضائل عبد اللہ بن عباس۔اس میں حضرت ابن عباسؓ ہی کی سند سے اللہ کے رسول ﷺ کا یہ ارشاد مذکور ہے: "اللهم فقهه" صحیح مسلم بشرح النووی ۸/ ۲۷۵، دار الحدیث، قاہرہ- طبع اول ۱۴۱۵ھ/ ۱۹۹۴ء۔

امام بخاری نے اس ارشاد نبوی کو کتاب العلم باب قولہ ﷺ: اللهم علمه الکتاب... میں ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے: عن ابن عباس قال: ضمنی رسول الله ﷺ وقال: "اللهم علمه الکتاب" (حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے سینہ سے لگایا اور ارشاد فرمایا: اے اللہ! اسے کتاب کا علم عطا فرما) (صحیح بخاری بشرح السندی ۱/ ۴۲۵، دار احیاء الکتب العربیۃ، تاریخ درج نہیں)۔ امام بخاری نے اس روایت کو کتاب الوضوء باب وضع الماء عند الخلاء میں ان الفاظ کے ساتھ ذکر کیا ہے: "اللهم فقهه فی الدین" ۱/ ۴۰، نیز دیکھئے: سورہ توبہ: ۱۲۲)۔

۲- دیکھئے: لسان العرب مادہ فقہ ۳/ ۳۴۲۵، دار الفکر طبع اول ۱۴۱۰ھ/ ۱۹۹۰ء، مذکورہ معانی میں لفظ فقہ کے استعمال کے لئے دیکھئے: المعجم الوسیط، مجمع اللغۃ العربیہ، قاہرہ۔تاریخ درج نہیں۔

۳- ملاحظہ ہو: المعجم المفہرس لألفاظ القرآن الکریم ص ۶۶۶-۶۶۷ از محمد فؤاد عبد الباقی طبع چہارم ۱۹۹۷ء۔

ہوتا ہے کہ بیش تر لوگ گہرا فہم نہیں رکھتے اور صرف چار مقامات سے کچھ ایسے لوگوں کی موجودگی کا امکان معلوم ہوتا ہے جو گہرے فہم کے حامل ہوں۔ گہرے فہم کے عدم وجود پر دلالت کرنے والے دو مقامات یہ ہیں: ''ولكن المنافقين لَا يفقهون'' (سورہ منافقون: ۷) (البتہ منافقین ہی نہیں سمجھتے)، ''فما لهؤلاء القوم لَا يكادون يفقهون حديثاً'' (سورہ نسا: ۷۸) (سو ان لوگوں کو کیا ہوا ہے کہ گویا یہ بات ہی نہیں سمجھتے)۔

دوسری نوعیت کے مقامات میں سے دو مثالیں مندرجہ ذیل ہیں: ''واحلل عقدة من لساني يفقهوا قولي'' (سورہ طہٰ: ۲۷-۲۸) (اور میری زبان سے بستگی دور کر دے تا کہ (لوگ) میری بات (خوب) سمجھ سکیں)، ''وما كان المؤمنون لينفروا كافة فلو لَا نفر من كل فرقة منهم طائفة ليتفقهوا في الدين ولينذروا قومهم إذا رجعوا إليهم لعلهم يحذرون'' (سورہ توبہ: ۱۲۲) (اور مومنوں کو نہ چاہئے کہ (آئندہ) سب کے سب نکل کھڑے ہوں، یہ کیوں نہ ہو کہ ہر گروہ میں سے ایک حصہ نکل کھڑا ہوا کرے تا کہ (یہ باقی لوگ) دین کی سمجھ بوجھ حاصل کرتے رہیں اور تا کہ یہ اپنی قوم والوں کو جب وہ ان کے پاس واپس آجائیں ڈراتے رہیں، عجب کیا کہ وہ محتاط رہیں)۔

یہاں ''تفقه في الدين'' سے مراد دین کا گہرا فہم ہے تا کہ اس کے حاملین دین کو اسی گہرائی کے ساتھ اپنی قوم تک پہنچا سکیں، کیونکہ یہی حضرات اپنی قوم اور علم کے درمیان واسطہ ہیں اور ان ہی سے لوگ علم حاصل کریں گے۔

حدیث میں دین کا علم اور فہم حاصل کرنے والے کی بڑی فضیلت آئی ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے: ''من يرد الله به خيراً يفقهه في الدين'' (۱) (اللہ تعالیٰ جس کے حق میں خیر چاہتا ہے اسے دین کی سمجھ عطا کرتا ہے)۔ لہٰذا جو شخص تفقہ فی الدین کی دولت سے

۱- صحیح بخاری کتاب العلم باب: من يرد الله به خيراً يفقهه في الدين ۱/ ۲۴۔

سرفراز ہوا سے سب سے پہلے یہ جان لینا چاہئے کہ اس پر اللہ تعالیٰ کا خصوصی احسان ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کے حق میں خیر کا ارادہ کیا ہے اور اس کے ارادہ کو کوئی ٹال نہیں سکتا، پھر اسے معلوم ہونا چاہئے کہ وہ خیر کے راستہ میں ہے جہاں جان دار اور بے جان ہر طرح کی مخلوقات اس کے لئے مغفرت کی دعا کرتے ہیں۔

ذیل میں اس کی چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں:

۱- اللہ تعالیٰ کے مندرجہ ذیل ارشادات میں کثرت اور قلت کے درمیان کے فرق کا گہرائی سے نہ سمجھنا:

الف-"ودّ كثير من أهل الكتاب لو يردونكم من بعد إيمانكم كفاراً حسداً من عند أنفسهم" (سورہ بقرہ ۱۰۹)(بہت سے اہل کتاب تو دل ہی سے چاہتے ہیں کہ تمہیں ایمان (لے آنے) کے بعد پھر سے کافر بنالیں حسد کی راہ سے جو ان نفسوں میں ہے)، اس سے کثرت کا اظہار ہوتا ہے۔

ب-"أو كلما عاهدوا عهداً نبذه فريق منهم" (سورہ بقرہ ۱۰۰)(کیا یہ ہے کہ انہوں نے جب کبھی بھی کوئی عہد کیا ہے تو انہیں میں سے کسی نہ کسی جماعت نے توڑ ہی پھینکا ہے)، اس میں قلت کی طرف اشارہ ہے۔

۲- لفظ "لاَ یجوز" اور لفظ "لاَ یجب" کے درمیان فرق کا علم نہ ہونا۔ ہم بعض مقررین کو یہ کہتے ہوئے سنتے ہیں: "لا يجب أن يكون أحدنا سبباً في الفرقة في الدين" (یہ واجب نہیں کہ ہم میں کا کوئی شخص دین میں تفرقہ کا سبب بنے)، یہاں کہنے والے نے وجوب کی نفی کی اور جواز اور استحباب کی نفی نہیں کی۔ اگر وہ گہرا فہم رکھتا تو کہتا: "لا يجوز أن يكون أحدنا سبباً في الفرقة في الدين" (یہ جائز نہیں کہ ہم میں سے کوئی شخص دین میں تفرقہ کا سبب بنے) جس طرح فقہ میں فرق پر گفتگو کرتے ہوئے ہم کہتے ہیں: " لا يجب أن

نصوم يوم الإثنين على حين لَا يجوز أن نصوم يوم العيدين"(یہ واجب نہیں کہ ہم پیر کے دن روزہ رکھیں جب کہ یہ جائز نہیں کہ ہم عیدین کے دن روزہ رکھیں)۔

فقہ کا اصطلاحی مفہوم

اصطلاح میں فقہ سے مراد شریعت کے ان عملی احکام کا مجموعہ ہے جو اپنے تفصیلی دلائل سے مستفاد ہوتے ہیں، اس کا موضوع مکلّف کا فعل ہے اس حیثیت سے کہ اس کے لئے ثابت ہونے والے شرعی احکام کیا ہیں(۱)۔

پنجم- اقلیات کا لغوی اور اصطلاحی مفہوم

اقلیات کا لغوی مفہوم

المعجم الوسیط میں ہے: اَقلیات اقلیت کی جمع ہے۔ یہ اکثریت کی ضد ہے (۲)۔

اقلیات کا اصطلاحی مفہوم

لفظ اقلیات کی اصطلاحی تعریف کے سلسلہ میں تین آراء پائی جاتی ہیں:

پہلی رائے: اکثریت کے بالمقابل تعداد کا اعتبار کیا جائے گا۔

دوسری رائے: غلبہ یا مغلوبیت کا اعتبار کیا جائے گا۔

تیسری رائے: مذکورہ دونوں پہلوؤں کو ملحوظ رکھا جائے گا۔

غالب رجحان عددی معیار کے اعتبار ہی کا ہے۔

عددی معیار کے قائلین کی طرف سے ڈاکٹر شافعی محمد بشیر (۳) نے اقلیت کی یہ تعریف

۱- (۱) الفقہ الاسلامی وادلتہ از ڈاکٹر وہبہ زحیلی ۱/۱۶-۱۷، دار الفکر طبع سوم ۱۹۸۹ء۔

۲- المعجم الوسیط مادہ قل ص ۷۸۵۔

۳- القانون الدولی العام فی السلم والحرب؛ مکتبۃ الجلاء الحدیثۃ، المنصورۃ، طبع سوم ۱۹۷۶ء ص ۱۰۸۔

ذکر کی ہے: اس سے مراد کسی ملک میں رہنے والے افراد پر مشتمل وہ جماعت ہے جو اس ملک کی اکثریت سے قومیت یا عقیدہ یا زبان کے اعتبار سے مختلف ہو، اسی قبیل سے وہ تعریف بھی ہے جو ڈاکٹر محمد حافظ غانم (۱) نے ذکر کی ہے یعنی یہ کہ اقلیت کسی ملک کے باشندوں کی وہ جماعت ہے جو اپنی قومیت یا اپنی زبان یا اپنے مذہب میں اس ملک کے اکثریتی باشندوں سے مختلف ہو۔

دوسری رائے کو پیش نظر رکھتے ہوئے ڈاکٹر سید جبر نے اقلیت کی تعریف یہ کی ہے:

اقلیت ملک کے ان افراد کی جماعت ہے جس کو اقتدار یا غلبہ حاصل نہ ہو، ملک کی شہریت تو اسے حاصل ہو البتہ وہ قومیت یا مذہب یا زبان میں پوری قوم سے مختلف ہو اور اپنی ثقافت، اپنی روایات اور اپنی مخصوص زبان کے تحفظ کی خواہاں ہو (۲)۔

تیسری رائے کے مطابق اقلیت وہ جماعت ہے جو تعداد اور قوت کے اعتبار سے کم تر ہو۔ اسی قبیل سے اقلیت کی وہ تعریف ہے جسے ڈاکٹر وائل احمد علام نے ان الفاظ میں ذکر کیا ہے:

اقلیت کسی ملک میں موجود ہم وطنوں کی وہ جماعت ہے جو تعداد میں کم ہو، اس ملک میں وہ غیر مقتدرانہ صورت حال میں ہو، وہ کچھ ایسی نسلی یا مذہبی یا لسانی خصوصیات کی حامل ہو جو ملک کے اکثریتی باشندگان کی خصوصیات سے مختلف ہوں۔ ان کے درمیان یک جہتی کا وہ احساس پایا جاتا ہو جسے ایک منفرد جماعت کی حیثیت سے باقی رہنے کی اجتماعی قوت ارادی کی موجودگی تقویت پہنچاتی ہو اور ان کا مقصد عملی اور قانونی اعتبار سے اکثریت کے ساتھ مساوات کا حصول ہو (۳)۔

ڈاکٹر وائل نے اس طرف بھی اشارہ کیا ہے کہ بین الاقوامی تنظیموں میں خواہ وہ حقوق انسانی کا یورپی یا امریکی معاہدہ ہو یا انسانوں اور اقوام کے حقوق کا افریقی چارٹر، اقلیت کے مفہوم

۱- مبادئ القانون الدولی العام دار النهضة العربية، القاہرہ، طبع سوم ۱۹۷۲ء ص ۵۲۳۔

۲- المرکز الدولی للأقلیات فی القانون الدولی العام مع المقارنة بالشریعة الاسلامیة، منشأة المعارف، الاسکندریہ ۱۹۹۰ء ص ۸۶۔

۳- حمایۃ حقوق الأقلیات فی القانون الدولی العام از ڈاکٹر وائل احمد علام دار النهضة العربیة مصر، طبع دوم ۲۰۰۱ء ص ۲۰۔

کے تعین میں خاصا تردد پایا جاتا ہے (۱)۔

اقلیت کی تعریف کے سلسلہ میں میری ترجیح

اقلیت کی تعریف یہ ہے: یہ کسی مذہبی یا لسانی یا نسلی خصوصیت کی حامل وہ جماعت ہے جو اپنی خصوصیت کے تحفظ کی خواہاں ہو اور جس ملک سے اس کا تعلق ہو وہاں اس کی تعداد کم ہو یا زیادہ ہو مگر وہ محکوم ہو۔

میں نے اس تعریف کو مندرجہ ذیل وجوہ سے ترجیح دی ہے:

۱- اقلیت کا ایک ایسی جماعت ہونا ضروری ہے جس کے افراد باہم مربوط ہوں، لہٰذا اگر کسی ایک نسلی یا مذہبی بنیاد سے تعلق رکھنے والے افراد منتشر ہوں گے تو انہیں اقلیت قرار نہیں دیا جائے گا۔

۲- اس اقلیت کا ایک طرح کی یا متعدد انواع کی خصوصیت اور امتیاز کا حامل ہونا ضروری ہے، خواہ زبان کے پہلو سے یا مذہب کے نقطۂ نظر سے یا نسلی اصل کے اعتبار سے جیسا کہ جرمنی میں ترک ہیں فرانس میں مراکشی ہیں، نیویارک میں عرب ہیں، برطانیہ میں ہندو ہیں، چین میں منگول ہیں، ہندوستان میں مسلمان ہیں، میکسیکو میں سرخ ہندوستانی ہیں، اسپین میں پاسک اور سابق چیکوسلوواکیا میں سلوواک ہیں۔ ان تمام جماعتوں کو اکثریت کے درمیان انفرادی خصوصیات حاصل ہیں۔

۳- اس جماعت کے اندر اپنی شناخت کے تحفظ کی خواہش، ارادہ اور اس کا مطالبہ پایا جاتا ہو جیسا کہ فرانسیسی اصل کے حامل کناڈا کے باشندے صوبہ کیبک (Quebec) میں فرنچ بولنے پر، برولمن میں یہودی عبرانی بولنے پر اور امریکہ میں چینی مکمل طور پر چینی طرز زندگی اختیار

۱- حمایۃ حقوق الأقلیات فی القانون الدولی العام از ڈاکٹر وائل احمد علام، دار النہضۃ العربیہ مصر، طبع دوم ۲۰۰۰ء ص ۱۲-۱۹۔

کرنے پر اصرار کررہے ہیں۔

۴- اس جماعت کا کسی متعین حکومت کا شہری اور اس کا وفادار ہونا ضروری ہے، کیونکہ یہ ملک کا ایک بنیادی عنصر ہوتی ہے اور اس کی طرف منسوب ہوتی ہے۔

۵- میرے نزدیک اس سے کوئی فرق واقع نہیں ہوتا کہ یہ جماعت تعداد میں کم ہو یا اکثریت میں تو ہو مگر مجبور ہو، کیونکہ میرے نزدیک اقلیت کی جو تعریف ہے اس میں دونوں طرح کے لوگ شامل ہیں:

الف- وہ جماعت بھی جو تعداد میں کم ہو خواہ اسے محکوم بنالیا گیا ہو جیسے روسی حکومت میں چیچن اور وہ جماعت بھی جسے ازروئے قانون اکثریت کے ساتھ مساوی حقوق حاصل ہوں جیسا کہ بیشتر جمہوری ممالک میں ہے۔

ب- وہ اکثریت بھی اس تعریف کا مصداق ہے جو محکوم بنالی گئی ہو، جس کے ہاتھ میں نہ اقتدار ہو، نہ اسے اقلیت کے مساوی یا اس کے قریب قریب حقوق حاصل ہوں جیسا کہ سویت یونین میں کمیونسٹ حکومت کے دور میں آذربائیجان، ازبکستان، قزاختستان اور کرغیزیا میں مسلمان اکثریت کے ساتھ ہوتا تھا یا جیسا کہ متعدد افریقی ممالک جیسے جنوبی افریقہ، نامبیا اور زمبابوے میں گوری اقلیت کو کالی اکثریت پر بالادستی حاصل تھی۔

قابل ذکر پہلو یہ ہے کہ مسلمان اقلیتوں کا مسئلہ بطور خاص دو مرحلوں سے گذرا ہے (۱):

۱- یہ پہلو ہندوستان کے اصل مسلمان باشندوں سے متعلق نہیں ہے جن کی تعداد دو سو ملین سے زائد ہے۔ یہ حکمراں اکثریت میں تھے مگر اندرونی کمزوری اور انگریزوں کی زیادتی کے نتیجہ میں محکوم اقلیت میں تبدیل ہوگئے۔ اس وقت یہ تین سنگین مسائل کی زد میں ہیں: غربت، ناخواندگی، بیماری، اس وقت ہندوستانی قوم میں ان کا تناسب 17.5% ہے، میں کئی بار ان سے مل چکا ہوں۔ مجھے یقین ہو چکا ہے کہ اس اقلیت کے لئے اصلاحی تدابیر کا آغاز ایسے منصوبوں سے کیا جانا ضروری ہے جو ان تین نہایت سنگین مسائل کا حل بن سکیں۔ اسی طرح چین کی مسلمان اقلیت کی صورت حال بھی اس جائزہ سے غیر متعلق ہے کیونکہ وہاں کے صرف ایک صوبہ مثلاً سنکھائی میں اصل چینی مسلمان باشندوں کی تعداد ۳۵ (پینتیس) ملین سے زائد ہے اور ان کے ساتھ حد درجہ محکوم اقلیت جیسا سلوک کیا جا رہا ہے۔

۱-تحلیل ہوجانے کا مرحلہ (گذشتہ تین صدیوں سے بیسویں صدی کے نصف تک)
جیسے افغانیوں کا ترک وطن کر کے آسٹریلیا اور جاپان کا رخ کرنا، عربوں اور افریقیوں کا امریکہ میں سکونت اختیار کرنا اور مراکشی باشندوں کا یورپ میں پناہ گزیں ہونا۔ یہ تمام مسلمان اقوام مذکورہ ممالک میں یا تو بھاگ کر پناہ گزیں ہوئیں یا انہیں ظلماً ان ممالک میں لے جایا گیا۔ یہ مزدوروں کے مختلف گروہ تھے جنہیں گرفتار کر کے لے جایا گیا یا وہ خود سفر کر کے گئے تاکہ معمولی پیشوں کو اختیار کر کے زندگی گذاریں۔ ان میں سے بہت سے لوگوں نے مساجد بھی بنائیں مگر وہ جلد ہی پوری طرح وہاں کے معاشرہ میں ضم ہوگئے بالخصوص ان کی دوسری نسل تو پوری طرح تحلیل ہوگئی اور اب ان کا کوئی اسلامی تشخص باقی نہیں رہا۔

۲-مغرب میں اسلام کے زندہ وجود کا مرحلہ: (بیسویں صدی کے نصف سے تا حال)
اس دور میں علمی اور امتیازی سطح کی متعدد ہجرتیں ہوئیں، بڑے پیمانہ پر علمی شخصیات نے آزادی یا علم یا روزگار یا ان تمام ضروریات کے حصول کے لئے ترک وطن کیا، انہوں نے جلد ہی مغرب کو اپنا وطن بنالیا، وہاں متعدد اسلامی مراکز اور ادارے قائم کئے۔ ابتداء مساجد اور اسلامی اسکولوں سے کی اور بعد میں سیاسی ادارے، اسلامی یونیورسٹیاں اور فقہی اکیڈمیاں بھی قائم کیں۔ فقہی کونسل برائے شمالی امریکہ اور یورپی کونسل برائے افتاء وتحقیق وغیرہ اسی سلسلہ کی کڑی ہیں۔

اسی کے ساتھ ساتھ مسلم ممالک میں متعدد ایسے ادارے قائم ہوئے جن کا مقصد مغرب میں قیام پذیر مسلمانوں سے رابطہ رکھنا ہے جیسے رابطہ عالم اسلامی اور تنظیم اسلامی کانفرنس۔

دوسری فصل:

مسلمان اقلیتوں کی فقہ سے متعلق اجتہاد کے منہجی ضوابط

پہلا ضابطہ: ہم وطنی کے تصور کا استحکام

دوسرا ضابطہ: وطن کی فلاح و بہبود سے متعلق اپنی ذمہ داریوں کا پختہ شعور

تیسرا ضابطہ: نص اور عملی صورت حال دونوں کے بیک وقت گہرے فہم کی ضرورت واہمیت

چوتھا ضابطہ: عمومی مسائل کے حل میں اجتماعی اجتہاد کی طرف رجوع

پانچواں ضابطہ: اجتہاد میں شرعی دلیل کے ساتھ قلبی خشیت کی موجودگی

چھٹا ضابطہ: عبادات اور معاملات دونوں میں ''فقہ المقاصد'' کو بنیادی حیثیت دینا

ساتواں ضابطہ: اندرونی وسائل اور بیرونی حالات کے مطابق ترجیحات کا لحاظ

آٹھواں ضابطہ: مختلف مسالک کی باہمی قربت اور اجتہاد میں انتخاب یا تخلیقیت

نواں ضابطہ: ''فقہ التیسیر'' (آسانی پر مبنی فقہ) کا انتخاب اور تدریج کی رعایت

دسواں ضابطہ: اقلیتوں کی مخصوص صورت حال کے پیش نظر ممنوعات کے شرعی متبادل کے سلسلہ میں اجتہاد

دوسری فصل:

مسلمان اقلیتوں کی فقہ سے متعلق اجتہاد کے منہجی ضوابط

میرا خیال ہے کہ اقلیتوں کی فقہ سے متعلق اجتہاد کو منضبط کرنے والے ضوابط اور معیارات کی تشکیل کے لئے ہمیں متعدد سطحوں پر کوشش کرنے اور بڑے پیمانہ پر بحث وتحقیق کرنے کی ضرورت ہے۔ میری یہ خواہش ہے کہ میں یورپی کونسل برائے افتاء وتحقیق سے وابستہ علماء کرام اور اپنے اساتذہ کے سامنے کتب اصول فقہ، قواعد فقہ اور مقاصد فقہ کے اپنے مطالعہ نیز حالات حاضرہ کے جائزہ اور امریکہ، یورپ، ہندوستان، چین، آذربائیجان، ازبکستان، قزاخستان اور کرغیز یا وغیرہ کے مسلمانوں سے ملاقاتوں کی روشنی میں اپنا حقیر نقطۂ نظر پیش کروں۔ مجھے امید ہے کہ وہ میری اصلاح فرمائیں گے اور مجھے اپنی دعاؤں سے نوازیں گے۔

میں نے اپنا نقطۂ نظر اس ضوابط کی صورت میں پیش کیا ہے، اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہ اکثریت سے متعلق فقہ میں استعمال نہیں کئے جاسکتے بلکہ میرا مطلب یہ ہے کہ اقلیتوں سے متعلق فقہ میں ان کی خاص اہمیت اور شدید ضرورت ہے جیسے مسافر کا کھانا، اس کی عبادات اور اس کے تمام پروگرام مقیم سے مختلف ہوتے ہیں، اسی طرح خوف زدہ شخص کی طرف سے امن کی خواہش پر امن زندگی بسر کرنے والے کی آسودہ زندگی کی خواہش سے بڑھ کر ہوتی ہے اگر چہ یہ سب کے سب غذاء، پانی اور ہوا سے بے نیاز نہیں رہ سکتے۔

پہلا ضابطہ:

ہم وطنی کے تصور کا استحکام

ایک سلیم الفطرت انسان کا خاصہ ہے کہ وہ اس وطن سے محبت کرتا ہے جہاں کی فضاؤں میں وہ سانس لیتا ہے، جہاں کے پانی سے وہ اپنی پیاس بجھاتا ہے، جہاں کے کھانے سے وہ اپنا پیٹ بھرتا ہے، جہاں کے وسائل سے وہ مستفید ہوتا ہے اور جہاں کے ورثہ پر اسے ناز ہوتا ہے۔فقہ انسانی فطرت سے متصادم نہیں بلکہ وہ اس بات کی خواہاں ہوتی ہے کہ اسے پاکیزگی اور اعتدال عطا کرے۔

اگر مسلمان اقلیت اس ملک سے اپنے تعلق کو محسوس نہیں کرے گی جہاں وہ قیام پذیر ہوئی ہے تو یہ شرافت اور وقار کے منافی ہے اور اس سے اکثریت کے لئے اقلیت سے خوف محسوس کرنے کا دروازہ کھل جائے گا جس کے نتیجہ میں اقلیت جلاوطنی یا ظلم کا شکار ہوسکتی ہے یا عام دھارے سے کاٹ دی جاسکتی ہے۔

اگر یہ حقیقت ہے کہ فقہ ایک موجود صورت حال کا حل پیش کرتی ہے تو اس وقت ہماری صورت حال یہ ہے:

۱- امریکی وزارت خارجہ نے ''اسلام امریکہ میں'' کے متعلق جو رپورٹ شائع کی ہے اس کے مطابق امریکہ میں مسلمان آٹھ ملین سے زائد ہیں۔ ان میں 22,4% امریکہ کے اصل باشندے ہیں اور 76,6% وہ مہاجرین ہیں جنہوں نے وہاں سکونت اختیار کی ہوئی ہے۔مہاجرین میں سے چالیس فیصد سے زائد بچے ہیں جو یا تو بچپن میں وہاں آئے یا وہیں پیدا ہوئے۔ اپنے آبائی وطن سے ان کا تعلق صرف شوق اور لطف کا ہے جس کے جذبات والدین اپنی اولاد کے

دلوں میں وطن، دادا، دادی، چچا اور ماموں کے متعلق باتیں کر کے پیدا کرتے ہیں۔ ان کا اپنا احساس یہ ہے کہ امریکہ ہی ان کا وطن ہے اور امریکہ ان کی زندگی اور ان کے دل کا جزء ہے۔

۲-مسلمان یورپ میں (مشرق اور مغرب دونوں کو ملا کر) ۵۷ ملین ہیں۔ ان کا بھی یہی احساس ہے اور ان میں سے بیش تر غربت اور جبر کے زیر اثر اپنے اصلی ملک واپس جانے کے وسائل نہیں رکھتے۔

۳-چین میں مسلمان ۱۵۰ ملین سے زائد ہیں، یہ سب کے سب یہاں کے اصل باشندے ہیں۔

۴- ہندوستان میں مسلمان ۲۰۰ ملین سے زائد ہیں، یہ یہاں کے اصل باشندے ہیں۔

۵-مشرقی ایشیاء کے ملکوں کے مسلمان وہاں کے اصلی باشندے ہیں، خواہ اکثریت میں ہوں یا اقلیت میں۔ یہ ممالک مندرجہ ذیل ہیں: ازبکستان، تاجکستان، قزاخستان، کرغیزیا، آذربائیجان، تھائی لینڈ، سنگاپور اور سری لنکا۔

۶-افریقہ کے اقلیتی مسلمان وہاں کے باشندے ہیں۔ اس کے علاوہ دوسرا کوئی ملک ان کا وطن نہیں۔ یہ تنزانیہ، یوگنڈا، کینیا، گھانا، نائیجیریا اور جنوبی افریقہ ہیں۔

مجتہدین، فقہاء، ائمہ اور اصلاح کے لئے کوشاں افراد کی ذمہ داری ہے کہ ان اقلیتی مسلمانوں نیز ان کے علاوہ جو مسلمان جاپان اور آسٹریلیا میں مقیم ہیں ان کے لئے فتوی دیتے وقت ''فقہ المواطن'' (ملک کے حقیقی باشندوں کی فقہ) کو پیش نظر رکھیں نہ کہ ''فقہ المہاجر'' (ہجرت کرنے والے کی فقہ) کو، ''فقہ المقیم'' کو بنیاد بنائیں نہ کہ ''مسافر کی فقہ'' کو، کیونکہ اول تو حقیقی صورت حال یہی ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ جس جگہ میں آپ نے پناہ لی یا جہاں آپ پیاس کے بعد سیراب ہوئے یا بھوک کے بعد شکم سیر ہوئے یا ناخواندگی کے بعد علم کے زیور سے آراستہ

ہوئے یا دباؤ کے بعد حرکت کرنے کے قابل ہوئے، اس سے وفاداری کا تقاضا ہے کہ آپ اپنے اوپر اس کا حق سمجھ کر اس کی فلاح کے لئے اٹھ کھڑے ہوں اور اس کے ارتقاء واستحکام میں سنجیدگی سے حصہ لیں۔ یہ سرگرمیاں مہاجرین کو اپنے حقیقی وطن کے شوق دیدار سے نہیں روکتیں اگر ان کے دلوں میں ایسے جذبات پائے جائیں جیسا کہ نبی ﷺ جب مکہ کے کسی اصل باشندہ کو مکہ کی تعریف کرتے ہوئے دیکھتے تو آپ ﷺ کی آنکھیں اشکبار ہوجاتی تھیں(۱)۔ یہی حال حضرت بلال وغیرہ کا تھا۔ لیکن ان حضرات نے مدینہ کو اپنا وطن بنالیا، وہیں قیام پذیر ہوگئے، مدینہ پوری روئے زمین پر ان کے لئے خیر اور نور کے گہوارہ میں تبدیل ہوگیا، نبی ﷺ نے اس کے صاع اور مد (دو طرح کے پیمانے) کے سلسلہ میں برکت کی اور اس کی چراگاہ کی حفہ منتقلی کی دعا فرمائی۔ اس طرح یثرب اپنی فضاء، پانی، پودوں اور باشندوں کے اعتبار سے پاکیزہ ہوگیا۔

یہاں میرا مقصد یہ نہیں ہے کہ غیر مسلم ممالک میں مقیم مسلمان اپنے ملکوں کے بارے میں وہی احساس رکھیں جو صحابہ مدینہ کے بارے میں رکھتے تھے۔ مدینہ میں تو شرعی نص ایک اقتدار کی صورت میں عملی تطبیق کے ساتھ ہم آہنگ ہوگئی تھی اور مدینہ ایک ایسا اسلامی ملک بن چکا تھا جو انسانیت کے لئے منارۂ نور تھا۔ میرا مطلب صرف یہ ہے جس جگہ انسان پیدا ہوا ہو یا جس جگہ اس کی پرورش ہوئی ہو اس جگہ کے اشتیاق میں کوئی حرج نہیں اور نہ یہ جذبہ کسی دوسرے ملک میں اقامت پذیر ہونے، اس کی بہتری کے لئے جد وجہد کرنے، اس کا بھی اشتیاق رکھنے اور اس کا حق ادا کرنے سے مانع ہے، اسی کے ساتھ یہ حقیقت بھی پیش نظر رہے کہ اگر ہم ملک کے اصل باشندوں کے ساتھ بچوں کو بھی شامل کرلیں تو مسلمان اقلیت میں اکثری تناسب ان لوگوں کا ہے

۱- اس روایت کا ذکر ابوموسیٰ نے ''الذیل'' میں بدیح بن سورہ السلمی کے حوالہ سے کیا ہے۔ دیکھئے: کنز العمال از متقی ہندی جلد ۱۲ باب: الإکمال من مکة وما حوالیها زادها الله شرفاً وتعظیماً، مؤسسة الرسالة بیروت، حدیث نمبر: ۳۴۷۰۲۔ اس کے الفاظ یوں ہیں: "یا أصیل دع القلوب تقر" (اے مکہ کے اصل باشندہ! دلوں کو سکون حاصل کرلینے دو)۔

جو یا تو غیر مسلم ممالک میں پیدا ہوئے ہیں یا وہاں ان کی پرورش ہوئی ہے۔ غیر مسلم ممالک میں قیام پذیر ہونے کا مسئلہ اگر چہ اب تک مختلف فیہ ہے مگر جو حضرات مسلمان اقلیتوں کے لئے فتوی دینے اور اجتہاد کرنے کے اہل ہیں ان کی رائے یہ ہے کہ اسلامی پیغام کی امین ومبلغ ہونے اور سب کی بھلائی کے لئے برپا کی جانے والی امت کی حیثیت سے مسلمانوں کے لئے غیر اسلامی ممالک میں قیام پذیر ہونا صحیح یا مستحب یا واجب ہے۔

قرآن کی صراحت ہے: ''كنتم خير أمة أخرجت للناس'' (سورہ آل عمران: ۱۱۰) (تم لوگ بہترین جماعت ہو جو لوگوں کے لئے پیدا کی گئی ہے) اور آپ ﷺ کا ارشاد ہے: ''إنما بعثت لأتمم مكارم الأخلاق'' (۱) (میری بعثت محاسن اخلاق کی تکمیل کے لئے ہوئی ہے)۔ انسانیت کی بھلائی کے لئے برپا کئے جانے کے تصور کا غلبہ ہی تھا کہ تاریخ نے عرب کے بدؤوں کے ریکارڈ میں ربعی بن عامر کے یہ الفاظ محفوظ رکھیں ہیں: ''اللہ نے ہمیں برپا کیا ہے تا کہ ہم بندوں کو بندوں کی بندگی سے بندوں کے پالنہار کی بندگی کی طرف، مذاہب کے ظلم سے اسلام کے انصاف کی طرف اور دنیا کی تنگی سے دنیا اور آخرت دونوں کی کشادگی کی طرف لائیں'' (۲)۔

بہر حال اگر روئے زمین کے تمام فقہاء اس بات پر اجماع کرلیں کہ غیر مسلم ممالک میں قیام پذیر ہونا درست نہیں ہے تو اس فیصلہ سے ان لوگوں کی صورت حال میں کوئی فرق واقع نہیں ہوگا جو ان ممالک کے حقیقی باشندے ہیں۔ مہاجرین کی اکثریت ہرگز ان ملکوں میں واپس

۱- اس حدیث کی روایت امام جلال الدین سیوطی نے الجامع الصغیر ۲/ باب تتمة حرف الالف میں کی ہے اور اسے صحیح قرار دیا ہے۔ اس کی روایت ابن سعد نے، نیز بخاری نے الأدب میں، حاکم نے المستدرک میں اور بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت ابوہریرہؓ سے کی ہے۔

۲- دیکھئے: الفاروق عمر بن الخطاب از محمد رضا/ ۱۱۵، دار القلم للنشر والتوزیع، تاریخ درج نہیں، نیز دیکھئے: تاریخ الأمم والملوک از محمد بن جریر الطبری ۲/ ۴۰۱، دار ومكتبة الهلال تاریخ اشاعت ۲۰۰۳ء، مزید ملاحظہ ہو: الکامل فی التاریخ لابن الاثیر ۲/ ۳۱۰، دار الکتب العلمیہ بیروت، طبع اول ۱۹۸۷ء۔

نہیں جائے گی جہاں سے مشکلات جھیل کر وہ آئے ہیں، تو کیا اب فقہ کا یہی کام رہ گیا ہے کہ وہ لوگوں کو گنہگار بنائے یا اس کا کام یہ ہے کہ لوگوں پر سے وہ بیڑیاں اور زنجیریں ہٹائے جن میں وہ جکڑ دیئے گئے ہیں؟!

اس لئے میں سمجھتا ہوں کہ مسلمان کو اس ملک سے محبت کرنی چاہئے جہاں وہ قیام پذیر ہو، اسے اس شخص سے نفرت ہونی چاہئے جو اس ملک میں فساد برپا کرے یا اس سے عداوت رکھے، اسے اپنے ملک کا محافظ اور اس کے حال و مستقبل کا بہی خواہ ہونا چاہئے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ ان مذاہب کا وفادار ہو جو ملک کے بگاڑ کے ذمہ دار ہیں یا ان لوگوں کا حامی ہو جو زمین میں فساد برپا کرتے ہیں اور اصلاح نہیں کرتے یا ان حکومتوں کا وفادار ہو جو اسلام مخالف قوانین بناتی ہیں بلکہ یہ اس ملک کے وفادار ہوں گے جو اپنے باشندہ کو اس بات پر آمادہ کرتا ہے کہ وہ اپنے ملک میں بسنے والی قوم اور وہاں کی زمین کی بھلائی کے لئے کوشاں ہوتا کہ وہاں اسلام کی عالمگیر رحمت کا عملی نمونہ سامنے آسکے اور پوری انسانیت کے لئے خیر کا بیج بویا جاسکے۔ اس تفصیل کی روشنی میں اگر مہاجر یہ کہے کہ میں فرانسیسی یا امریکی یا جاپانی مسلمان ہوں اور میری اصل شامی یا افریقی یا مصری یا ہندوستانی وغیرہ... ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ اسی طرح اس میں کوئی حرج نہیں کہ کسی ملک کا حقیقی باشندہ اپنے ملک پر نہ کہ وہاں کی حکومت اور اس کے اسلام مخالف قوانین پر فخر کرے اور ہر شخص اپنے بھائی سے کہے:

خليليّ إنا مقيمان ها هنا　　و كل مقيم للمقيم نسيب

(اے میرے دوست! ہم دونوں یہاں پردیسی ہیں اور
ہر پردیسی دوسرے پردیسی کا رشتہ دار ہوتا ہے)۔

میرے سامنے روز بروز پوری شدت کے ساتھ اس رائے کی کمزوری واضح ہوتی جارہی ہے کہ مغرب میں قیام پذیر ہونا یا مغربی ممالک کا سفر کرنا جائز ہے۔ اسلام کے ائمہ اور علماء پر یہ

بھاری ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ غیر مسلم ممالک میں قیام پذیر ہونے کو ناجائز قرار دینے والے حضرات کے دلائل کا جائزہ لیں، کیونکہ مشرق کے علماء کی طرف سے یہ فتوی جاری کئے جاتے ہیں اور مغرب میں مقیم ان کے حامی انہیں نقل کرتے ہیں کہ ان ملکوں میں اقامت اختیار کرنا ولاء اور براء کے منافی ہے اور اس عمل کے نتیجہ میں ایک آدمی ملت سے خارج یا فاسق اور گنہگار ہوجاتا ہے۔

اگر اللہ نے چاہا تو میرا ارادہ ہے کہ ایک مفصل مقالہ میں اس مسئلہ کی تحقیق پیش کروں جس سے اس مسئلہ کے سلسلے میں راجح اجتہاد واضح ہوجائے اگر چہ میں شریعت کی تفصیلی احکام، کلی قواعد اور عمومی احکام کے بارے میں اپنے مطالعہ کی روشنی میں اس یقینی نتیجہ تک پہنچ چکا ہوں کہ اگر غیر مسلم ممالک کی طرف ہجرت کرنے اور وہاں اقامت پذیر ہونے پر مجبور کرنے والے حالات نہ بھی پیش آتے جب بھی پوری دنیا میں ایک منظم اور منصوبہ بند طریقہ پر اشاعت اسلام کی غرض سے وہاں جانا اور مقیم ہونا فرض تھا۔

دوسری طرف اقامت اختیار کرنے کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ ان نظاموں میں ضم ہوجایا جائے خاص طور پر اعتقادی اصولوں، اخلاقی اقدار اور شرعی مسلمات سے متصادم امور میں تو ہرگز نہیں۔

اس ضمن میں ایک منہجی مسئلہ ان فقہی آراء سے استفادہ کرتے وقت پیدا ہوتا ہے جو ممکن ہے اپنے زمانہ اور اپنی مخصوص صورت حال میں مناسب رہی ہوں گی مگر ہماری آج کی صورت حال پر منطبق نہیں ہوتی ہیں، جیسے دارالحرب اور دارالاسلام کے تعین کا مسئلہ، شاید اس موقع پر اس دار کی تحقیق مناسب ہوگی جسے آج کل دارالعہد یا دارالدعوۃ کہا جاتا ہے۔ ایک منہجی غلطی یہ ہے کہ مجموعی طور پر تمام غیر اسلامی ممالک میں قیام پذیر ہونے کو حرام یا مکروہ قرار دے دیا جاتا ہے۔ یہ اجمالی حکم لگانا درست نہیں، کیونکہ غیر اسلامی ممالک کے درمیان عام طور پر اپنی اقوام اور خاص

طور پر مسلمانوں کے حوالہ سے آزادی اور پابندی کے دائروں میں بڑا اختلاف پایا جاتا ہے۔ اسی طرح ان کے درمیان گیارہ ستمبر کے حادثہ کے پہلے کے دور اور اس کے بعد کے دور کے لحاظ سے خاصا اختلاف پایا جاتا ہے۔ یہ اختلاف خود ان کی اپنی مختلف ریاستوں میں پایا جاتا ہے۔ چنانچہ جنوبی اور وسطی امریکہ کی بعض ریاستیں متحفظ ہیں اور کچھ ریاستوں جیسے نیویارک اور کیلی فورنیا میں اباحیت اور بے لگام آزادی کا رجحان پایا جاتا ہے جو مشرق میں قابل مذمت ہیں، ہالینڈ میں کچھ ایسے علاقے ہیں جہاں قانونی لائسنس کے ذریعہ منشیات کی خرید وفروخت ہوتی ہے اور بعض علاقے ایسے ہیں جہاں یہ ممنوع ہے، امریکہ کی ریاست لاس اینجلس میں وہ چیزیں جائز ہیں جو دوسری ریاستوں میں جائز نہیں۔ بعض ایسے مسلم اور غیر مسلم ممالک ہیں جو اسلام اور مسلمانوں کے خلاف شدید ترین مہم کی آڑ میں حجاب کو غیر قانونی قرار دیتے، دین کے داعیوں پر پابندی عائد کرتے اور دین دار نوجوانوں کو تشدد کا نشانہ بناتے ہیں جب کہ بہت سے غیر مسلم ملکوں کا موقف یہ ہے کہ وہ جلا وطن داعیوں کو پناہ دیتے، ان مظلوموں کے ساتھ حسن سلوک کرتے اور ان کے لئے سیاسی پناہ گزیں کی حیثیت سے تنخواہیں مقرر کر دیتے ہیں۔ امام نسفی نے سچ فرمایا ہے:

ملکوں اور مقامات کی نوعیت اس پہلو سے بہت حد تک بدل جاتی ہے کہ وہاں ایک مسلمان کا دین، اس کے اہل وعیال، اس کی عزت اور اس کا مال محفوظ ہیں یا نہیں (۱)۔

اگر صورت حال کی یہ تبدیلی امام نسفی کے زمانہ میں درست تھی جو ایک صحیح بات ہے تو اب اس دور میں تو صورت حال میں بہت زیادہ تبدیلی واقع ہوچکی ہے۔ بے شمار فلسفے، عقائد، ادارے، پارٹیاں اور گروہی نسبتیں ظہور میں آچکی ہیں۔ اس لئے اس سلسلہ میں اجمالی حکم لگانا اس معاملہ کے حل میں ایک بڑی منہجی غلطی کا ارتکاب کرنا ہے۔ یہ طریقہ غلط ہی ہوگا خواہ اس سے کسی چیز کو جائز مقرر دیا جائے یا ناجائز۔ میرے خیال میں صحیح فقہی نقطہ نظر سے قریب تر بات یہ

۱- تفسیر النسفی المسمی بمدارک التنزیل وحقائق التأویل از ابو البرکات عبداللہ بن احمد بن محمود النسفی، دار الفکر (۳/ ۲۶۲)۔

ہے کہ اس مسئلہ پر تفصیل سے روشنی ڈالی جائے۔ اس کی توضیح یہ ہے کہ کوئی بھی حکومت چار چیزوں کا مجموعہ ہوتی ہے:

۱- زمین- اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ ہم جب کبھی کسی زمین میں قیام پذیر ہوں تو اس کی تعمیر میں ہاتھ بٹائیں۔

۲- اس زمین پر زندگی بسر کرنے والا معاشرہ- اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم سارے جہاں کے لئے باعث رحمت بنیں اور یونیورسٹیوں سے عام شاہراہوں نیز اسلامی اداروں سے مالی کمپنیوں، ٹی وی چینلوں اور سماجی زندگی تک کا سفر اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ نور کی روشنی میں طے کریں۔

۳- وہ قانون اور دستور جس کی اس ملک پر حکمرانی ہو- اس قانون اور دستور کی بعض باتیں ہماری شریعت کے موافق ہوں گی اور بعض اس سے متصادم ہوں گی۔

۴- وہ نظام جس کی بالادستی اس کے قانون سازیہ، اس کی عدلیہ اور اس کے انتظامی شعبوں پر ہو۔

میرا خیال ہے کہ ملک کی تعمیر وترقی میں حصہ لینے اور لوگوں کے ساتھ حسن سلوک کے واجب ہونے میں تو کوئی اشکال نہیں بشرطیکہ وہاں کے باشندوں کا ہم سے تعلق مصالحانہ ہو، اسی طرح قوانین کی پابندی اور نظم ونسق کی تعمیل بھی ہر قسم کے اشکال سے پاک ہے، شرط یہ ہے کہ وہ ہماری شریعت کے خلاف نہ ہوں، اصل اشکال اس صورت میں پیدا ہوتا ہے جب قانون یا دستور غیر مسلم ملک میں مقیم مسلمان کے دین سے متصادم ہو یا اس نوع کے کسی ملک میں کسی ایسے نظام کی حکمرانی ہو جو کمیونزم یا سیکولزم یا دیگر سیاسی ترجیحات کی بنیاد پر بالارادہ اس قسم کا تصادم پیدا کرے۔

مجھے راجح بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ یہ دونوں پہلو اس ملک اور معاشرہ سے وفاداری

کے تصور کے منافی نہیں ہیں جہاں انسان قیام پذیر ہو۔ اسی کے ساتھ ساتھ ایسی صورت حال میں یہ لازم ہوگا کہ دستور اور قانون کی اصلاح کے لئے تمام قانونی ذرائع اختیار کئے جائیں اور ان حکمراں نظاموں کے خلاف قانونی طور پر کھل کر انکار منکر (برائی کو برائی قرار دینا) کا فریضہ انجام دیا جائے بشرطیکہ انسان کسی ایسے مفسدہ تک نہ پہنچ جائے جو شریعت کے چھ واجب الحفظ امور: دین، جان، عزت، نسل، عقل اور مال کے تحفظ سے متعلق شرعی مصالح پر غالب آجائے۔

میں علماء محققین کے سامنے یہ معروضات اس امید کے ساتھ رکھ رہا ہوں کہ ان کی روشنی میں ایک ایسا شرعی موقف اختیار کیا جا سکے گا جس سے مغرب میں قیام پذیر مسلمانوں کو اپنے وطن میں شرعی مسلمات سے ادنی انحراف کئے بغیر اطمینان بخش زندگی گذارنے میں مدد ملے گی۔

دوسرا ضابطہ:

وطن کی فلاح و بہبود سے متعلق اپنی ذمہ داریوں کا پختہ شعور

ضروری ہے کہ ''فقہ الاقلیات'' سے متعلق اجتہاد ایک مسلمان کے اندر یہ تحریک پیدا کرے کہ اسے اپنے وطن، اپنے معاشرہ اور اپنے گردوپیش کی فلاح میں اہم کردار ادا کرنا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ اس کا دائرہ صرف فتنوں سے بچانے اور آزمائشوں سے تحفظ عطا کرنے والی فقہ تک محدود ہو کر رہ جائے جیسا کہ بعض حضرات مسلمان نسلوں کو فتنوں سے بچانے کے لئے تو اسلامی اسکولوں کے قیام پر زور دیتے ہیں مگر ان میں ہماری نسلوں کے اندر سے ایسی زندہ قیادتوں کی تشکیل کے بارے میں کوئی قائدانہ اصلاحی فکر نہیں پائی جاتی جو معاشرہ کے لئے نفع بخش اور اس کی درستگی کی ضامن ہوں۔ اسی طرح بعض حضرات صرف اس لئے انتخابات میں شرکت کی دعوت دیتے ہیں (۱) تا کہ اقلیتوں کے حقوق ضائع نہ ہوں اور حکومتوں کو جزوی طور پر ہی سہی فلسطین، عراق، افغانستان، کشمیر اور چیچنیا میں نسلی امتیاز یا عالمی سطح پر ظلم کی تائید سے روکا جا سکے۔ ایسی فقہ اسلامی پیغام کا احاطہ کرنے سے قاصر ہے۔ اس میں ایک مسلمان کے اس جامع کردار کو نظر انداز کر دیا گیا ہے کہ وہ اپنی ذات اور اپنے کنبہ کے لئے بھی نفع بخش ہوتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ اس کا فیض اس کے سماج کو بھی پہنچتا ہے خواہ وہ سماج اچھا ہو یا برا، اس کے علاوہ وہ اپنے ملک کے لئے بھی نافع ہوتا ہے خواہ اس پر نظام شرعی غالب کیوں نہ ہو، کیونکہ دعوت کا حقیقی میدان یہی

۱- دیکھئے: میری کتاب "مشاركة المسلمين في الانتخابات الأمريكية وجوبها وضوابطها الشرعية، سلطان للنشر، طبع اول ۲۰۰۴ء ص ۹۸-۱۰۲، ہم نے اس کتاب میں انتخابات میں شرکت کا پہلا ضابطہ یہ ذکر کیا ہے کہ ہمارا مقصد اپنے قانونی حقوق کے ساتھ اس معاشرہ کے مصالح کو بروئے کار لانا ہو جس میں ہم رہ رہے ہوں۔ (ملاحظہ ہو: الفصل الثالث: ضوابط المشاركة)۔

ہے، اگر ایسا نہیں ہے تو پھر اس اصلاح کا میدان کہاں ہے جس کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے ہمارے کاندھوں پر ڈالی ہے؟ ذیل میں اقلیتوں کے لئے ایسے فقہی اجتہادات کے واجب ہونے کے دلائل پیش کئے جارہے ہیں جو ان کے اندر اپنے ملک اور اپنے معاشرہ کی اصلاح کی تحریک پیدا کرسکیں:

اول: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "فلو لَا كان من القرون من قبلكم أولوا بقية ينهون عن الفساد في الأرض إلّا قليلاً ممن أنجينا منهم واتبع الذين ظلموا ما أترفوا فيه وكانوا مجرمين وما كان ربك ليهلك القرى بظلم وأهلها مصلحون" (سورہ ہود: ۱۱۶-۱۱۷) (پس کاش تمہارے پیشتر کی امتوں سے ایسے سمجھ دار لوگ ہوتے جو منع کرتے ملک میں فساد (پھیلانے) سے بجز چند لوگوں کے جن کو ہم نے ان میں سے بچالیا تھا اور جو لوگ (اپنی جانوں پر) ظلم کرنے والے تھے وہ جس ناز ونعمت میں تھے اسی کے پیچھے پڑے رہے، اور (عادی) مجرم ہوگئے اور آپ کا پروردگار ہرگز ایسا نہیں کہ بستیوں کو ہلاک کردے ان کی زیادتیوں کے باعث درانحالیکہ ان کے رہنے والے اصلاح میں لگے ہوں)۔

یہ دونوں آیتیں سورۂ ہود کا خلاصہ ہیں۔ یہ سورہ اس پیغام پر مشتمل ہے جو انبیاء انسانوں کو ہلاکت سے بچانے کے لئے پیش کرتے ہیں۔ پہلی آیت میں ان "أولوا بقية" (قرطبی کے بقول اہل عقل یا اہل دین) کا ذکر ہے جو اصلاح کا اور زمین میں نہ کہ صرف مسلم ممالک میں فساد سے لوگوں کو روکنے کا فریضہ انجام دیں اور دوسری آیت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ آفت سے نجات اور ہلاکت سے بچاؤ کا واحد ذریعہ ایسے افراد کا اصلاح کے فریضہ کو انجام دینا ہے۔

دوم: سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ دوہری خوش خبری سنائی گئی کہ ایک تو آپ کو آپ کی پہلی بیوی "سارہ" سے "اسحاق" نامی اولاد عطا کی جائے گی اور

دوسرے یہ کہ آپ کی زندگی ہی میں آپ کے بیٹے ''اسحاق'' کو یعقوب نامی اولاد سے نوازا جائے گا۔ ملائکہ کی طرف سے اس خوش خبری کے سنائے جانے کے باوجود حضرت ابراہیم علیہ السلام کی توجہ ان کے ساتھ اس جدال (مباحثہ) پر مرکوز رہی کہ قوم لوط علیہ السلام پر عذاب نازل کرنے میں جلدی نہ کی جائے اور انہیں اصلاح کا ایک اور موقع دیا جائے۔

قرآن نے مندرجہ ذیل آیات میں اس کی بڑی ہی مؤثر تصویر کشی کی ہے کہ ایک داعی اور مصلح ہر حال میں اپنی قوم کی خیر خواہی کرتا ہے خواہ وہ بدترین بے حیائی کا ارتکاب ہی کیوں نہ کر رہی ہو:

۱-''فلما ذهب عن إبراهيم الروع وجاءته البشرىٰ يجادلنا فى قوم لوط'' (سورہ ہود:۷۴) (پھر جب ابراہیمؑ سے خوف زائل ہوگیا اور ان کو خوش خبری مل گئی تو وہ لگے ہم سے قوم لوطؑ کے باب میں بحث کرنے)۔

۲-''إن إبراهيم لحليم أواه منيب'' (سورہ ہود:۷۵) (بے شک ابراہیم بڑے حلیم، بڑے دردمند، بڑے نرم دل تھے)۔

۳-''يا إبراهيم أعرض عن هذا إنه قد جاء أمر ربك وإنهم آتيهم عذاب غير مردود'' (سورہ ہود:۷۶) (اے ابراہیمؑ اسے جانے دو قطعاً تمہارے پروردگار کا حکم آچکا ہے اور ان پر ضرور ایک نہ ٹلنے والا عذاب آنے والا ہے)۔

اس سنگین صورت حال میں بھی حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام قوم لوط کے دفاع میں مباحثہ کر رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کو صفت حلم سے متصف قرار دے رہا ہے جو مصلحین کی ایک اہم صفت ہے۔ ان آیات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے جذبہ خیر خواہی کی توصیف کی گئی ہے۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب ان کے بارے میں حکم الٰہی آچکا تھا کہ یہ تمام حدیں پار کر چکے ہیں، ان کی فطرت مسخ ہوچکی ہے اور ان پر نہ ٹلنے والا عذاب آکر رہے گا۔

سوم: امام بخاری نے اپنی سند سے حضرت عروہ کے حوالہ سے یہ روایت ذکر کی ہے کہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ آپ ﷺ کے اوپر "احد" سے زیادہ سخت کوئی دن آیا ہے؟ آپ ﷺ نے اس کے جواب میں اس دن کا ذکر فرمایا جب آپ ﷺ کی قوم نے آپ کو بے حد ایذا پہنچائی تھی یہاں تک کہ جبرئیل علیہ السلام پہاڑوں کے فرشتہ کے ساتھ آپ کے پاس تشریف لائے اور آپ کے سامنے یہ پیش کش رکھی کہ تمام اہل مکہ کو ہلاک کردیا جائے تو آپ ﷺ نے فرمایا: "لَا، بل أدعو الله لهم: اللهم اهد قومي فإنهم لَا يعلمون، عسى الله أن يخرج من أصلابهم من يعبد الله عزوجل" (نہیں، میں ان کے لئے دعا کرتا ہوں: اے اللہ! میری قوم کو ہدایت عطا فرما، انہیں علم نہیں ہے، مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی پشت سے ایسی نسل پیدا کرے گا جو صرف اللہ عزوجل کی عبادت کرے گی)۔ نبی ﷺ کا یہ نہایت عمدہ موقف اس صورت حال میں تھا جب قریش نے آپ کی ایذا رسانی میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی تھی، اس وقت خانہ کعبہ بتوں سے بھرا پڑا تھا، عورتیں اور مرد ننگے طواف کیا کرتے تھے، عورت کہا کرتی تھی:

"اليوم يبدو كله أو بعضه فما يبدو منه فلا أحله" (۱)

(آج کے دن پورا بدن یا اس کا کچھ حصہ کھل جائے گا اور اس کا جو حصہ کھل جائے گا میں اسے حلال نہیں سمجھوں گی)۔

مسجد حرام سے باہر خود مکہ میں قحبہ گری کے اڈے ہوتے تھے جن پر سرخ جھنڈے لگے ہوئے تھے جیسا کہ بخاری کی حدیث میں حضرت عائشہؓ کے حوالہ سے مذکور ہے (۲)۔ اس کے

۱- اس حدیث کی روایت امام بخاری نے اپنی صحیح میں کتاب بدء الخلق باب ذکر الملائکۃ میں کی ہے حدیث نمبر یہ ہے ۲۹۹۴۔

۲- اس حدیث کو امام بخاری نے اپنی صحیح میں کتاب النکاح باب من قال: "لَا نکاح إلَّا بولی" میں ذکر کیا ہے۔ حدیث نمبر یہ ہے ۴۷۳۲۔

علاوہ وہ مظالم تھے جو مال داروں کی طرف سے غریبوں پر، آقاؤں کی طرف سے غلاموں پر، طاقت ور کی طرف سے کمزور پر اور مرد کی طرف سے عورت پر ہوا کرتے تھے (۱)۔ ان سنگین حالات کے باوجود آپ ﷺ کے دل میں کبھی یہ خیال نہیں آیا کہ ان لوگوں کو ہلاک کر دیا جانا چاہئے بلکہ آپ ﷺ نے ان کی اصلاح کی کوشش کی، ان میں سے بیش تر اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہوئے اور اسلام کا سرمایہ اور مسلمانوں کی مدد کا ذریعہ بنے۔

چہارم: روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: **"لقد دعيت إلى حلف في الجاهلية "حلف الفضول"، لو دعيت لمثله في الإسلام لأجبت"** (۲) (مجھے زمانہ جاہلیت میں "حلف الفضول" نامی ایک معاہدے میں شرکت کے لئے بلایا گیا تھا، اگر مجھے اسلام کے دور میں بھی اس طرح کے کسی عمل میں شرکت کی دعوت دی جائے گی تو میں اسے ضرور قبول کروں گا)۔ اس سے واضح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ اگر کسی مسلمان کو اخلاقی مقصد، انسانی اصول یا اصلاحی عزم کے حامل اداروں میں شرکت کا یا خود اس طرح کے نئے ادارے قائم کرنے کا موقع ملے تو اسے اس میں ضرور سبقت کرنی چاہئے۔

پنجم: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **"كنتم خير أمة أخرجت للناس تأمرون بالمعروف وتنهون عن المنكر وتؤمنون بالله"** (سورہ آل عمران: ۱۱۰) (تم لوگ بہترین جماعت ہو جو لوگوں کے لئے پیدا کی گئی ہو، تم بھلائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو)، اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ ہم ایک ایسی امت ہیں جو اپنے آپ میں سمٹ کر اور محدود ہو کر نہیں رہ سکتی بلکہ ایک ایسی امت ہیں جسے قرآن وسنت کا نور دے کر لوگوں کے لئے پیدا اور برپا کیا گیا ہے۔ ایک ایسی امت جو صرف مسلمانوں میں نہیں بلکہ عام انسانوں میں نور کو پھیلاتی ہے۔ ایک ایسی امت جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی مقدس کتاب میں سولہ مقامات پر

۱- الرحیق المختوم از صفی الرحمٰن مبارکپوری ۱/ ۸۳، دار الحدیث، القاہرہ، تاریخ درج نہیں۔

۲- السیرۃ النبویہ از ابن ہشام ۱/ ۲۶۶ مصطفیٰ البابی الحلبی ۱۹۵۵ء۔

زمین میں سیر کا، چار مقامات پر سفر کا اور چار مقامات پر مشی (چلنا) کا حکم دیا ہے، یعنی سیر، ضرب فی لأرض (زمین میں سفر) اور مشی کا، کل ملا کر بیس مقامات پر حکم دیا ہے۔

اگر ہم ان صریح نصوص کی روشنی میں اپنے موجودہ حالات کا جائزہ لیں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ آج کے مغربی معاشرہ میں آزادی اس فضا کا ایک حصہ بن چکی ہے جس میں اس کے افراد سانس لیتے ہیں، آزادی ان کے لئے ایک موقع ہے جیسا کہ شاعر نے کہا ہے:

وعاجز الرأي مضياع لفرصته حتى إذا فات أمر عاتب القدرا

(عزم سے عاری شخص اپنا موقع گنوا دیتا ہے یہاں تک کہ جب
معاملہ ہاتھ سے نکل جاتا ہے تو تقدیر کو کوستا ہے)۔

اگر نکسن نے "الفرصة السانحة" (دستیاب موقع) نامی کتاب لکھی تو ہمارے لئے بھی اس کا موقع ہے کہ ہم اپنے لئے اور اس معاشرہ کے لئے جس میں ہم رہ رہے ہیں اصلاحی پروگرام لے کر آگے بڑھیں۔

میں اس کی ایک مثال دیتا ہوں: امریکی وزیر تعلیم تیرل بل نے ۱۹۸۱ء میں اس بات کا جائزہ لینے کے لئے کہ امریکہ میں تعلیم کو کیسے فروغ دیا جائے، تعلیم وتربیت، معیشت اور سماجیات وغیرہ کے ماہرین پر مشتمل ایک اٹھارہ رکنی کمیٹی تشکیل دی۔ کمیٹی نے والدین، اسکولوں اور یونیورسٹیوں کے اساتذہ اور طلبہ وطالبات سے کھل کر اس موضوع پر بات کی اور آخر میں جو رپورٹ تیار کی اس میں تھا کہ امریکہ دنیا کے ان ۱۹ ترقی یافتہ ملکوں میں سب سے کمتر معیار تعلیم والا ملک ہے جہاں بار بار کے سروے کرایا گیا ہے نیز یہ کہ ۲۳ ملین امریکی ناخواندہ ہیں، خداداد صلاحیتوں کے حاملین میں سے نصف ایسے ہیں جن کا علمی معیار ان کی صلاحیتوں سے مطابقت نہیں رکھتا اور سترہ سال کی عمر کے چالیس فی صد طلبہ ایسے ہیں جو لکھی ہوئی تحریر نقل نہیں کر سکتے۔ رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ اگر کوئی مخالف طاقت امریکی قوم پر کوئی کمتر معیار تعلیم نافذ کرنا چاہے تو

اسے اعلان جنگ کے مترادف قرار دیا جائے گا مگر یہ کام تو خود ہمارے ذریعہ ہو رہا ہے۔ ہم نے ''اسپوٹنک'' نامی سیٹلائٹ لانچ کر کے جس چیلنج کا مقابلہ کیا تھا اور اپنے طلبہ کے لئے اعلیٰ معیار تعلیم کے میدان میں جتنی قربانیاں کی تھیں وہ سب ضائع ہوگئیں اس کے بعد کمیٹی نے سب کو تعلیم کی صورت حال کی اصلاح میں حصہ لینے کی دعوت دی ہے(۱)۔

میں کہتا ہوں: اس میں کیا حرج ہے اگر مسلمان اس گفتگو میں شریک ہوں اور ایک ایسا تعلیمی اور تربیتی نقطۂ نظر پیش کریں جس میں روح اور جسم، اخلاق اور عملی صورت حال، فرد اور معاشرہ، مرد اور عورت کے کردار اور انسداد جرائم کے مختلف طریقوں کے درمیان مکمل توازن ہے۔ کتنا بہتر ہوگا کہ مسلمان ۲۳ ملین امریکیوں کی ناخواندگی کے مسئلہ کو حل کرنے کی فکر کریں، کیا معلوم کہ اس میں کتنے اللہ کے دین کو قبول کرلیں، کتنے اسلام اور مسلمانوں سے خیر خواہی کرنے والے بن جائیں اور کتنے غیر جانب دار ہو جائیں۔

اس لئے ضروری ہے کہ فتاوی اور فقہی اجتہادات کے ذریعہ ایک مسلمان کے اندر یہ تحریک پیدا کی جائے کہ اسے ایک ایسا خیر اندیش شہری اور نفع بخش انسان بننا ہے جو ظلم کے ازالہ، جنگوں کی روک تھام، ماحولیات کے تحفظ، سماجی تشدد کے خاتمہ، ماں کی مامتا اور باپ کی شفقت کے ابھارنے، بیماروں، یتیموں، محتاجوں اور نادروں کی دیکھ بھال کرنے، صفائی پر زور دینے، صحتی خدمات کو عام کرنے، جانوروں سے ہمدردی کرنے، منشیات اور سگریٹ نوشی سے سماج کو پاک کرنے اور دنیا بھر کے غریبوں، جنگوں کی زد میں آنے والوں اور پناہ گزینوں کی نگہداشت کے لئے ادارے قائم کرنے یا پہلے سے موجود اداروں میں شامل ہونے اور اپنے مسلم وغیر مسلم برادران وطن سے تعاون میں دریغ نہ کرے۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ دشمنان اسلام ہم پر یہ الزام نہ لگائیں کہ مسلمان ہمارے درمیان ایک مفاد پرست قوم ہیں جو ہمارے مال، ہمارے

۱- ملاحظہ ہو: کتاب مشاركة المسلمين في الانتخابات الأمريكية وجوبها وضوابطها الشرعية، سلطان للنشر، طبع اول ۲۰۰۴ء ص/ ۱۰۱۔

علم اور ہماری آزادی سے خودتو فائدہ اٹھاتے ہیں مگر وہ اپنے ملک اور وطن کی کوئی خدمت نہیں کرتے۔ ہماری عملی تصویر وہ ہونی چاہئے جو حدیث میں ہے: ''خیر الناس أنفعهم للناس''(۱)(لوگوں میں سب سے بہتر وہ ہے جولوگوں کوسب سے زیادہ فائدہ پہنچائے)۔

ایسانہیں ہے کہ حسن سلوک، ہمدردی اور خیرخواہی سے متعلق تمام اسلامی تعلیمات صرف مسلمانوں کے ساتھ خاص ہیں اور غیرمسلم ان سے مستثنیٰ ہیں اور نہ ایسا ہی ہے کہ وہ صرف انسانوں کے ساتھ خاص ہیں، جانور یا چرند وپرند اور جمادات ان سے مستثنیٰ ہیں۔

۱- اس حدیث کی روایت امام سیوطی نے الجامع الصغیر ج ۳، حرف الخاء میں کی ہے۔ دارالقلم نے اس کو عمدہ قرار دیا ہے اس پر تاریخ درج نہیں۔

تیسرا ضابطہ:

نص اور عملی صورت حال دونوں کے بیک وقت گہرے فہم کی ضرورت واہمیت

میرے علم کی حد تک علماء اسلام میں سے کسی نے بھی اس سے اختلاف نہیں کیا ہے کہ فتوی یا اجتہاد کا اہل صرف وہی شخص ہوسکتا ہے جو نص اور پیش آمدہ عملی صورت کا گہرا علم رکھتا ہو اور عملی صورت حال پر نص کا ٹھیک ٹھیک انطباق کرسکتا ہو جیسا کہ شاطبی، ابن القیم، قرافی اور ابن عابدین نے اس کی صراحت کی ہے، کیونکہ صورت حال کا گہرا علم عرف کے فہم اور فتوے میں اس کے ملحوظ رکھے جانے کا نمائندہ ہوتا ہے۔ ابن عابدین فرماتے ہیں: مفتی اور قاضی کے لئے جائز نہیں کہ ظاہر روایت کے مطابق فیصلہ کریں اور عرف کو نظر انداز کردیں(۱)۔

امام قرافی عرف پر گفتگو کرتے ہوئے کہتے ہیں: ''اس ضابطہ کی روشنی میں ہر زمانہ میں فتاوی میں عرف کی رعایت کی جائے گی، عرف میں جو تبدیلی بھی ہو اسے ملحوظ رکھو، جو عرف ختم ہوجائے اسے ساقط کردو اور پوری عمر کتابوں میں لکھی ہوئی عبارتوں پر جمے نہ رہو بلکہ جب تمہارے پاس کوئی ایسا شخص فتوی لینے آئے جو تمہارے علاقہ کا نہ ہو تو تم اسے اپنے علاقہ کے عرف کے مطابق چلانے کی کوشش نہ کرو، اس کے بجائے اس سے اس کے علاقہ کا عرف دریافت کرکے اس کے مطابق اس کو جواب اور فتوی دو، اپنے علاقہ اور اپنی کتابوں میں مذکور مسائل کے مطابق فتوی نہ دو یہی واضح حق ہے اور ہمیشہ کتابوں میں منقول عبارتوں پر جمے رہنا دین میں گمراہی اور علماء مسلمین اور سلف صالحین کے مقاصد سے جہالت ہے۔ اسی قاعدہ کے مطابق طلاق وعتاق سے متعلق قسموں اور صراحت وکنایات سے متعلق صیغوں کی تخریج کی جائے گی، کیونکہ کبھی کبھی

۱- ردالمحتار علی الدرالمختار ۳/ ۴۳۴۔

صریح ایسے کنایہ میں تبدیل ہوجاتا ہے جس میں نیت کی ضرورت ہوتی ہے اور کبھی کبھی کنایہ ایسے صریح میں تبدیل ہوجاتا ہے جس میں نیت کی ضرورت نہیں پڑتی (۱)۔

اسی لئے نص کے فہم کے ساتھ اس عملی صورت حال کو بھی ملحوظ رکھا جائے گا جس پر نص کا انطباق کیا جارہا ہو۔ اگر ہم مغربی معاشرہ کے ایک نمونہ کا جائزہ لیں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ اس میدان میں مسلم اقلیتیں سخت بحرانی کیفیت سے دوچار ہیں، مثال کے طور پر:

امریکی وزارت خارجہ کے اعلان کے مطابق امریکہ میں (۲۰۰۰) دوہزار سے زائد اسلامی مراکز ہیں اور ایک سروے کے مطابق جو ہارورڈ یونیورسٹی نے متعدد اسلامی اداروں کی مدد سے کیا ہے، اس مرکز سے دوملین مسلمان رہنمائی حاصل کرنے کے لئے رجوع کرتے ہیں اور فی الواقع رجوع کرنے والوں کی تعداد اس سے زیادہ ہے لیکن ان مراکز کی صورت حال یہ ہے کہ:

الف- ان کے پاس صرف ۲۴۰ شریعت کے ایسے باصلاحیت ائمہ ہیں جو فقہ، دعوت اور عمومی اسلامی مطالعات میں اختصاص رکھتے ہیں، باقی تمام غیر متخصص ہیں، ان میں سے بعض علمی اور شرعی کمال کے حامل ہیں مگر ان میں سے بیشتر غیر مرتب سوچ رکھتے ہیں، چنانچہ اگر وہ کسی موضوع پر خطبہ یا درس تیار کرتے ہیں یا کسی باب کا مطالعہ کرتے ہیں تو اس کی وجہ صرف یہ ہوتی ہے کہ ان سے اس موضوع پر فتوی طلب کیا گیا ہوتا ہے جہاں تک قرآن اور علوم قرآنیہ، حدیث واسانید حدیث، فقہ اور اصول فقہ، سیرت اور اس کے نکات، تاریخ اور اس کے اسباق، دعوت اور اس کے تقاضوں کے منظم مطالعہ کا تعلق ہے تاکہ جزئیات سے مقاصد شریعت تک رسائی حاصل کی جاسکے اور فقہی ذوق پیدا ہوسکے یا آدمی نفسیات سے باخبر ہوسکے تو ایسا بہت ہی شاذونادر ہے۔

ب- ان میں سے بیشتر ائمہ اہل فضل وشرف اور بلند مرتبہ پیغام وکردار کے حامل

۱- أنوار البروق فی أنواع الفروق ۱/۱۷۶-۱۷۷۔

ہونے کے باوجود ایسے ہیں کہ یا تو ان کے دینی مدارس نے ان کے اندر خاطر خواہ صلاحیت پیدا نہیں کی یا جلد باز نمازیوں کے خاص دباؤ کے تحت ان کے اندر فکری سطحیت پیدا کر دی گئی، لہٰذا یہاں تخلیقیت کے بجائے جگالی ہے اور علم کا المیہ ترک ہے۔ ان میں سے بعض اپنا پڑھا ہوا سبق بھول چکے ہیں اور وعظ وتقریر کے دائرہ میں گھومتے نظر آتے ہیں جن کی مثال فاسٹ فوڈ کی سی ہے۔

ج - سب کے سب اس بات کے ضرورت مند ہیں کہ مغربی معاشرہ کو تاریخ، چیلنج، امیدوں، مسائل، جرائم اور ان کے حل کے آئینہ میں سمجھیں۔ یہ ناگزیر ہے اس کے بغیر وہ وہاں کے معاشرہ میں جو اعتدال پسند ہے نہ کہ جارحیت اور علاحدگی پسند، زندہ اسلامی تشخص کی تعمیر میں اپنا کردار ادا نہیں کر سکتے۔ ان سب کو غیر مرتب مطالعہ کے بجائے منظم مطالعہ اور تدریجی کورسیز کی ضرورت ہے تاکہ وہ اس سطح تک پہنچ سکیں جس کی اصلاح کی ذمہ داری ان سے متعلق ہے۔

صحیح بات یہ ہے کہ انتظامی علوم نے کافی ترقی کر لی ہے اور ان میں حال و مستقبل کی منصوبہ بندی پیش نظر رکھی جاتی ہے۔ اس منصوبہ بندی کا چار قسم کے کرداروں کے علم وفہم پر مبنی ہونا ضروری ہے جس کا اختصار یہ ہے: (SWOT) یعنی:

۱- معاشرہ میں طاقت (Strengths) کے عناصر کا علم

۲- کمزوری (Weakness) کے عناصر کا علم

۳- دستیاب مواقع (Opportunities) کا علم

۴- چیلنج (Threats) کا علم

یہ کلی اور تفصیلی اہداف کی تشکیل سے پہلے کی ترتیب دی گئی معلومات ہیں، اس کے بعد کلی اہداف کی روشنی میں عملی وسائل کے انتظام کا مرحلہ ہے۔ اس کے بعد ان وسائل کو مختلف اوقات میں اور مرحلہ وار اقدامات کی صورت میں (جن میں سے بعض مختصر المیعاد ہوں گے اور

بعض طویل المیعاد) استعمال میں لانے کا مرحلہ ہے، اس کے بعد میدانی جائزہ اور فیڈ بیک کا مرحلہ ہے۔ اسی نقشہ کے مطابق بجٹ بنایا جائے گا اور باصلاحیت اہل علم متخصصین کی خدمات حاصل کی جائیں گی۔ اب کیا ہمارے لئے یہ جائز ہوگا کہ ہم لوگوں کی دنیا وآخرت کی اصلاح کے لئے توسعی کریں گے مگر اپنے گرد وپیش میں موجود لوگوں کی عملی صورت حال کے ان توجہ طلب پہلوؤں کو نظر انداز کردیں؟!

میں سمجھتا ہوں کہ نص اور صورت حال کے گہرے فہم کی اہلیت پیدا کرنا اور فتوی کی تربیت دینا ضروری ہے تاکہ اصل صورت حال کا حل نکل سکے۔ آج کی صورت حال بڑی پیچیدہ ہے۔ آج ایسے جرأت مند مفتی یا فقیہ کی ضرورت ہے جو علم اور خوف خدا کے ساتھ لوگوں کی عملی مشکلات کے حل کے لئے میدان میں آئے۔

میرے خیال میں ہمارے فقہاء کی کامیابی کا راز نص اور عملی صورت حال کا یہی معیاری فہم تھا۔ اس بلند درجہ پر فائز ہونے ہی کا نتیجہ تھا کہ حضرت عمر بن الخطابؓ شریعت کے ان انتظامی معاملات میں جن میں وہ حضرت ابوبکرؓ کو اپنی رائے دے چکے تھے، اس رائے کے برعکس فتوی دیتے اور فیصلہ کرتے وقت تذبذب کا شکار نہیں ہوتے تھے اور نئے مسائل کا حل اپنے بے نظیر فہم سے نکالتے تھے۔ حضرت علیؓ بھی ان ہی کے نقش قدم پر چلے جن کا فتوی یہ تھا کہ شرابی کو چالیس کوڑے لگائے جائیں گے جب کہ وہ خود اسی مسئلہ میں حضرت عمرؓ کو اسی کوڑوں کا مشورہ دے چکے تھے اور ایسا کرتے وقت انہوں نے اس کو حد قذف پر قیاس کیا تھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز مدینہ میں ایک گواہ اور ایک شخص کی قسم کی بنیاد پر صاحب حق کے لئے فیصلہ کردیتے تھے۔ بعد کے زمانہ میں امام ابوحنیفہ کے شاگرد ابویوسف، شیبانی اور ابن ابی لیلی نے اس سے اختلاف کیا۔ یہ اختلاف دو زمانوں کا تھا نہ کہ حجت وبرہان کا۔ امام شافعی کی فقہ عراق خود ان ہی کی فقہ مصر سے مختلف ہے۔ ابن تیمیہ اور ابن القیم نے بعض ایسے فقہی مسائل پر بحث کی جن میں اجتہادی فیصلہ

کی بنیاد پر نہ کہ نص قطعی کی بناپر فقہاء کے اجماع کا دعوی کیا گیا تھا۔ انہوں نے اپنے زمانہ کی عملی صورت حال سے ہم آہنگ نئے مسائل کے حل میں تامل نہیں کیا۔ ابن القیم نے زماں ومکان اور احوال کی تبدیلیوں کی بنیاد پر فتوی میں تبدیلی کے موضوع پر ایک منفرد انداز سے قلم اٹھایا۔

یہ بات بالکل درست ہے کہ ہمارے لئے مراکشی عالم ڈاکٹر مقری ادریسی(۱) کی اس ہدایت پر عمل کرنا ضروری ہے کہ اگر فروع سے متعلق کسی فتوی پر پچاس سال گذر چکے ہوں یا ایک ہزار میل کا فاصلہ واقع ہوجائے تو ایسی صورت میں نئے سرے سے اجتہاد کئے بغیر اس فتوی کو نقل کرنا جائز نہیں ہے۔ اس میں اس بات کی طرف ایک واضح اشارہ ہے کہ فروع میں نہ کہ مسلمات اور اصول میں ہر عرف کے متعلق الگ الگ احکام ہوتے ہیں۔ یہ ایک طے شدہ مسئلہ ہے، اس میں مزید دلائل کی ضرورت نہیں ہے، البتہ فقہی اکیڈمیوں اور ائمہ نیز اسلامی قیادت کی تربیت سے متعلق موجودہ دور کی مخصوص صورت حال میں اس مسئلہ کے مناط کی تحقیق کے لئے بڑی محنت درکار ہے تا کہ فتوی میں نصوص اور مقاصد شرع کے ساتھ عملی مسائل کے گہرے فہم کا امتزاج بھی پایا جائے۔ میرا خیال ہے کہ اس تناظر میں مندرجہ ذیل عملی اقدامات کئے جانے ضروری ہیں:

۱۔ مغرب میں قائم فقہی کونسلوں کے ارکان، مفتی اور امام کے لئے نص اور صورت حال کے گہرے فہم کی ایک سطح کا تعین اور اس سلسلہ کے تفصیلی معیارات پر اتفاق۔ ان میں سے ہر سطح کے لئے ایسے متعین شرائط کا پایا جانا ضروری ہے جن کی پابندی ان کونسلوں سے وابستگی یا ان سے کام لیتے وقت لازم ہو۔

۱۔ موصوف مراکش کی ایک یونیورسٹی کے فیکلٹی آف لینگویجز میں پروفیسر ہیں۔ ان کی پی ایچ ڈی لسانیات میں ''قرآن کریم میں فضا کی معنویت'' کے موضوع پر ہے۔ یہ مراکش کی حرکۃ التوحید والاصلاح الاسلامیہ کی مجلس شوری کے رکن ہیں۔ یہ وہاں کے رکن پارلیمنٹ بھی رہے ہیں۔ مراکش کے رسالہ ''المشکاۃ'' کی مجلس مشاورت نیز ملیشیا سے شائع ہونے والے رسالہ ''التجدید'' کی بورڈنگ کمیٹی کے رکن ہیں۔ تقریباً پندرہ سال سے اسلامی فکر سے متعلق مختلف مسائل پر لکچر دیتے رہے ہیں۔

۲-ائمہ کی صورت حال سے متعلق سروے جیسا کہ ہارورڈ یونیورسٹی نے ۲۰۰۹ء (بارہ سو نو) اسلامی مراکز کا سروے کرایا۔ ہمیں بھی ائمہ کی صورت حال سے متعلق ایسی ہی جائزہ رپورٹوں کی ضرورت ہے، کیونکہ صحیح حل کا آغاز صورت حال کے علم سے ہوتا ہے۔

۳-اس بات کی پابندی کی جائے کہ اسلامی مراکز سے وابستہ ائمہ کے معاہدوں کی تجدید صرف اسی صورت میں کی جائے گی جب کہ ان کی طرف سے منظم مطالعات یا گہری علمی تحقیقات کا سلسلہ جاری ہو تا کہ فقہی اور عملی زندگی کے تسلسل کی ضمانت دی جا سکے جو فقہ الاقلیات سے متعلق اجتہاد کی اہلیت کے لئے ضروری ہے(۱)۔

۱- میں امریکہ میں جن مسائل سے دوچار ہوا اور جن میں مجھ سے شرعی حکم دریافت کیا گیا ان میں سے نہایت تکلیف دہ یہ واقعہ بھی ہے کہ ڈیٹرائٹ میں ایک مسجد انتظامیہ نے ایک با صلاحیت امام کو اس بنا پر امامت سے برطرف کردینے کا فیصلہ کیا کہ ان امام صاحب نے ایم اے اسلامک اسٹڈیز میں داخلہ لے لیا تھا تا کہ شرعی نص اور موجودہ امریکی صورت حال کے موضوع کا مطالعہ کرسکیں۔ اس مصروفیت کی وجہ سے انہیں بعض نمازوں میں غیر موجود بھی ہونا پڑتا تھا، انتظامیہ نے اپنے رویہ پر اس کے باوجود اصرار کیا کہ امام صاحب نے اپنی غیر موجودگی میں امامت کے لئے اہل کا انتظام بھی کرلیا تھا جب کہ ملکی اداروں کا طریقہ یہ ہے کہ جو شخص اعلی تعلیم یا ڈگری کے حصول کے لئے داخلہ لیتا ہے اسے مادی اور اخلاقی تعاون دیتے ہیں۔

دوسری طرف مسلمانوں کا طریقہ یہ ہے کہ مشرق سے داعی حضرات کو لاتے ہیں اور ان کے سامنے ایسے سوالات رکھتے ہیں جن سے ان کو کبھی سابقہ ہی نہیں پیش آیا، وہ ان مسائل کو سمجھتے ہی نہیں جیسے انشورنس کا مسئلہ، مکانات اور گاڑیوں کی خریداری کا مسئلہ، غیر مسلم حضرات کے ساتھ معاملات کا مسئلہ۔ اب یہ حضرات ان سوالات کے جو جوابات دیتے ہیں وہ ان کی صحیح فتاوی سے بہت مختلف ہوتے ہیں جن میں نص اور عملی صورت حال کے جائزہ نیز جزئیات اور مقاصد کے فہم کی جامعیت ہوتی ہے۔ ایک بار ایک خطیب صاحب نے جو باہر سے تشریف لائے تھے اپنے خطبہ میں پورا زور اس پر صرف کردیا کہ قبروں کو چومنا اور اونچی قبریں بنانا حرام ہے حالانکہ امریکہ میں نہ کوئی ایسی قبر ہے اور نہ کسی ریاست میں مسلمانوں کے خاص قبرستان ہیں، لیکن حضرت نے اپنے ملک میں جو کچھ یاد کیا تھا اسے خوب بہتر طریقہ پر حاضرین کو سنایا۔

چوتھا ضابطہ:

عمومی مسائل کے حل میں اجتماعی اجتہاد کی طرف رجوع:

بہت سے جزئی یا انفرادی مسائل ایسے ہیں جن میں کوئی امام یا مفتی تنہا فتوی دے سکتا ہے، خواہ وہ اس مقصد کے لئے کوئی فتوی نقل کرے یا براہ راست اجتہاد کرے جیسے قبلہ کے تعین میں غلطی کا مسئلہ، انفرادی طور پر نماز ادا کرنے کا مسئلہ، سجدۂ سہو کا مسئلہ، اس میت کو غسل دینے کا مسئلہ جس کے اعضاء کٹ گئے ہوں، نفقہ مطلقہ کے حدود کا مسئلہ، عورت کے حیض میں اختلاف کا مسئلہ، سونے کی زکوۃ کا مسئلہ، ایکسیڈنگ (ایمرجنسی) وارڈ میں ڈاکٹر کے لئے جمعہ پڑھنے کا مسئلہ، لیکن عمومی مسائل یا فقہاء کے الفاظ میں ''جن میں عموم بلوی ہو'' جیسے غیر مسلم ممالک میں اقامت اختیار کرنا، انتخابات میں حصہ لینا، مکانات خریدنا، اسلام قبول کرنے والی عورت کا اپنے اس شوہر کے ساتھ رہنا جس نے ابھی اسلام قبول نہ کیا ہو، نومسلم شخص کا اپنے رشتہ داروں کی میراث میں حصہ پانا، سماجی انشورنس کی مختلف صورتیں، ڈپازٹس، شیئرز، کلوننگ، یوتھنیزیا، اس مریض سے آلۂ تنفس کا ہٹایا جانا جس کی زندگی کی امید ختم ہوگئی ہو، اسلامی وقف، اس کا انتظام اور اس کا فروغ، مغرب میں اموال زکوۃ کے صرف کی ترجیحات، سودی بینکوں کے ذریعہ مساجد اور اسلامی اسکولوں کی خریداری، تجارت کے دائرہ کو وسیع کرنے کے لئے قرض لینا، بغیر ولی کے نکاح، طلاق کی نیت سے شادی، ان مسائل میں اصل یہ ہے کہ انہیں اجتماعی فقہی ذہن کے حوالہ کیا جائے، اسی طرح ایسے مسائل میں کسی عالم یا امام کو سلف صالحین کے طریقہ پر چلتے ہوئے جو اس طرح کے مسائل میں فتوی کی بنیاد اجتماعی غور وفکر پر رکھتے تھے نہ کہ انفرادی آراء پر، انفرادی فتوی سے گریز کرنا چاہئے۔

اس کی بعض مثالیں مندرجہ ذیل ہیں:

۱- امام ابوعبیدہ معمر بن المثنی البصری کتاب القضاء میں فرماتے ہیں: حضرت ابو بکر کے پاس جب کوئی مسئلہ آتا تو وہ اللہ کی کتاب پر غور کرتے، اگر ان کو اس میں وہ حل مل جاتا جس کے ذریعہ فیصلہ کرنا ہوتا تو وہ اس کے ذریعہ فیصلہ کر دیتے اور اگر اللہ کی کتاب میں اس کا حل نہ پاتے تو اللہ کے رسول ﷺ کی سنت پر غور کرتے، اگر اس میں مطلوبہ حکم مل جاتا تو اس کا فیصلہ کر دیتے، اگر مسئلہ کا حل اس میں بھی نہ ملتا تو لوگوں سے دریافت کرتے کہ کیا تمہارے علم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس مسئلہ میں کوئی فیصلہ فرمایا ہے؟ اس کے جواب میں کبھی ایسا ہوتا کہ کچھ لوگ اٹھ کر کہتے کہ ہاں اس مسئلہ میں رسول اللہ ﷺ نے یہ اور یہ فیصلہ فرمایا ہے؟ اگر انہیں رسول اللہ ﷺ کی سنت سے اس مسئلہ کا کوئی حل نہ ملتا تو سر کردہ لوگوں کو جمع کر کے ان سے مشورہ کرتے اور جس رائے پر ان کا اتفاق ہو جاتا اس کے مطابق فیصلہ فرما دیتے(۱)۔

۲- امام دارمی نے اپنی سنن میں اپنی سند کے ساتھ مسیّب ابن رافع سے روایت کی ہے کہ اگر صحابہ کو کوئی ایسا مسئلہ درپیش ہوتا جس میں ان کو اللہ کے رسول ﷺ کی طرف سے کوئی رہنمائی نہ ملتی تو اس کے لئے جمع ہوتے اور اتفاق رائے کرتے، لہٰذا حق ان کی رائے کے مطابق ہے(۲)۔

۳- ابن القیم نے ''اعلام الموقعین'' میں بیان کیا ہے کہ حضرت عمر بن الخطابؓ ان مسائل کے حل کے لئے جن میں کوئی نص نہ ہوتی علماء صحابہ کو جمع کر کے ان سے مشورہ کرتے اور اگر کسی رائے پر ان کا اتفاق ہو جاتا تو اس کا فیصلہ کر دیتے۔ جب حضرت عمرؓ نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو بصرہ بھیجا تھا تو ان کو اسی اجتماعی رائے اور مشورہ کی تاکید کی تھی (۳)۔

۱- دیکھئے: اللمع فی أصول الفقہ از شیرازی باب اثبات القیاس وما جعل فیہ حجۃ۔

۲- سنن الدارمی فی المقدمۃ باب التورع عن الجواب فیما لیس فی الکتاب ولا السنۃ ۱/ ۷۳، ۷۴۔

۳- إعلام الموقعین عن رب العالمین از ابن القیم الجوزیۃ، تحقیق عصام الدین الصبابطی ۱/ ۶۵، دار الحدیث، طبع اول ۱۴۱۴ھ/ ۱۹۹۳ء۔

۴-طبرانی نے ''الاوسط'' میں اپنی سند سے حضرت علی بن ابی طالبؓ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا: اگر میرے سامنے کوئی ایسا مسئلہ آجائے جس میں کتاب وسنت کی طرف سے کوئی رہنمائی نہ ملے تو آپ اس سلسلہ میں مجھے کیا حکم فرماتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تم اس مسئلہ کو اہل ایمان میں سے اصحاب بصیرت اور عبادت گذاروں کی جماعت کے ساتھ مشورہ کر کے حل کرو اور محض اپنی رائے کی بنیاد پر فیصلہ نہ کرو (۱)۔

اس لئے ہم دیکھتے ہیں کہ امام ماوردی نے اپنی کتاب ''الاحکام السلطانیۃ'' کے ابتدائی صفحات ہی میں ایک شاعر کا مندرجہ ذیل شعر ذکر کر کے اس پہلو کی اہمیت اجاگر کی ہے:

لَا یصلح الناس فوضی لَا سراۃ لھم   ولَا سراۃ إذا جھالھم سادوا (۲)

(بدنظمی سے ان لوگوں کی اصلاح ممکن نہیں جن کے رہنما نہ ہوں
اور رہنماؤں کا کوئی اعتبار نہیں اگر لوگوں پر جہلاء کی حکمرانی ہو)۔

میرا خیال ہے کہ اجتماعی اجتہاد کا ایک ضروری تقاضہ وہ ہے جس کی بنیاد فقہی اکیڈمیوں میں پڑ چکی ہے، یعنی مختلف علمی فنون مثلاً طب، فلکیات، معاشیات، سیاسیات، سماجیات اور قانون.... وغیرہ کے ماہرین کی شمولیت، اس کی وجہ وہ ترقی اور پیچیدگی ہے جس میں موجودہ انسانی زندگی ڈھل چکی ہے اور ہر شعبہ کے ارتقاء میں اعتبار اس کے مختلف اطراف وجوانب اور گوشوں کے پھیلاؤ کا ہوتا ہے۔ یہ صورت حال اب سے پہلے کی اس زندگی سے مختلف ہے جو سادہ اور آسان ہوا کرتی تھی، جس میں شریعت کے ایک عالم کے لئے زندگی کے چند ایسے اصولوں کا جاننا کافی ہوتا تھا جو بغیر کسی پریشانی کے اسے فتوی کا اہل بنا سکیں، لیکن اب یہ ممکن نہیں کہ صرف علماء

۱- اس حدیث کی روایت طبرانی نے اپنی المعجم الکبیر میں کی ہے۔ باب العطاء أحادیث عبد اللہ بن العباس ۲/۱۱ ۷ ۳۔

۲- الاحکام السلطانیۃ والولایات الدینیۃ از ابوالحسن علی محمد الماوردی، الباب الاول فی عقد الامامۃ ص۱، دار الکتب العلمیہ، تاریخ درج نہیں۔

زندگی کے مختلف علوم کا احاطہ کرسکیں۔ اس صورت حال کا تقاضا ہے کہ فتوی یا اجتہاد کے موضوع سے متعلق میدان میں ماہرین کی مدد لازماً لی جائے۔ یہ محض استئناس اور استفادہ کا مسئلہ نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق بنیادی اصولوں سے ہے۔

اس میں شرعاً اور عقلاً کوئی حرج نہیں کہ یہ ماہرین غیر مسلم ہوں، یہاں اس پہلو کی طرف بھی اشارہ کرنا ضروری ہے کہ اصل امریکی یا یورپی باشندوں کے اندر سے علماء، فقہاء اور مختلف علوم کے ماہرین تیار کئے جانے ضروری ہیں تا کہ جب ان کی تربیت مکمل ہوجائے تو وہ فقہی اکیڈمیوں کا حصہ بن سکیں لیکن اس مسئلہ پر غور وفکر اور اس کو عملی شکل دینے کے لئے منظم منصوبوں کی ضرورت ہے۔

پانچواں ضابطہ:

اجتہاد میں شرعی دلیل کے ساتھ قلبی خشیت کی موجودگی

شاید قلب کے تقوی کی سب سے زیادہ ضرورت علماء اور ائمہ حضرات کو ہے، کیونکہ عالم کی لغزش عالم کی گمراہی کا سبب بنتی ہے۔ درست اجتہاد میں شرعی دلیل کے ساتھ قلبی خشیت کے بغیر چارہ نہیں، اس لئے کہ شرعی دلیل کی عدم موجودگی میں اجتہاد کمزور ہوجائے گا، فتوی تذبذب کا باعث بن جائے گا اور اس کے نتیجہ میں انسان نعوذ باللہ جہنم کے گڈھے میں گر سکتا ہے۔ حدیث نبوی ہے: "من كذب عليّ بغير علم فليتبوأ مقعده من النار"(۱) (جو شخص علم کے بغیر میری طرف جھوٹ منسوب کرے اسے اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالینا چاہئے)۔ ابن القیم نے ذکر کیا ہے کہ فتوی کی کثرت علم کی کثرت یا اس کی قلت کا نتیجہ ہوتی ہے۔ جہاں تک قلبی خشیت کا تعلق ہے تو اس سلسلہ میں شریعت کی ہدایات بہت صاف اور واضح ہیں۔ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: "الذين يبلغون رسالات الله ويخشونه ولا يخشون أحداً إلاّ الله وكفى بالله حسيباً" (سورہ احزاب:۳۹) ((یہ وہ لوگ ہیں) جو اللہ کے پیامات پہنچایا کرتے تھے اور اسی سے ڈرتے تھے اور بجز اللہ کے کسی سے نہیں ڈرتے تھے اور اللہ حساب کے لئے کافی ہے)۔ اللہ کے پیامات اسی طرح اللہ تعالی کا ارشاد ہے: "إنما يخشى الله من عباده العلماء" (سورہ فاطر:۲۸) (اللہ سے ڈرتے تو بس وہی بندے ہیں جو علم والے ہیں)۔ اس باب میں کثرت سے احادیث مروی ہیں کہ اللہ تعالی ان لوگوں کو جو علم کے باوجود لوگوں سے ڈر کر خاموش رہیں یا بغیر علم

۱- اس حدیث کی روایت امام بخاری نے کتاب العلم باب إثم من كذب على النبي ﷺ میں کی ہے حدیث نمبر یہ ہے ۱۰۶۔

کے فتوی دے کہ اللہ کی ناراضگی مول لیں جہنم میں اوندھے گرائے گا اور فرمائے گا: "كنت إياي أحق أن تخشى" (۱) (میں اس بات کا زیادہ حق دار تھا کہ تو مجھ سے ڈرتا) اور وہ منہ کے بل جہنم میں گرا دیا جائے گا۔

اس صفت کا پایا جانا آج کی ضرورت ہے۔ ہمارے علماء سابقین میں یہ غالب تھی، چنانچہ ائمہ اربعہ نے مشکلات کا سامنا کیا، پامردی سے فتنوں کا مقابلہ کیا اور ان میں سے ہر ایک نے مداہنت سے کام لینے یا اپنے علم کے خلاف کچھ کہنے سے انکار کر دیا، اسی طرح ابن تیمیہ اور العز بن عبد السلام بھی حق کا اظہار کرتے تھے یہاں تک کہ اللہ تعالی نے ان کی کوششوں کے نتیجہ میں امراء پیدا فرمائے، ان ہی میں سے ایک سیف الدین قطز ہیں جو مغل حملہ آور افواج کے حملوں، ان کی پھیلائی ہوئی عام تباہی، قتل، آبروریزی اور نمائندہ علمی سرمایہ کی بربادی کے مقابلہ کا ایک ذریعہ ثابت ہوئے۔ یہ عظیم فتح صرف ذہن میں علوم ومعارف کا خزانہ جمع کرنے سے نہیں حاصل ہوئی بلکہ اس میں تحصیل علوم کے ساتھ ساتھ قلبی تواضع اور خشیت الٰہی کے عناصر بھی شامل تھے۔ اسی خشیت کی وجہ سے علماء حق بات کہتے تھے، خواہ وہ کتنی ہی تلخ کیوں نہ ہو۔ عامة الناس

۱- اس حدیث کی روایت ابن ماجہ نے کتاب الفتن باب الأمر بالمعروف والنہي عن المنکر میں کی ہے حدیث نمبر یہ ہے: ۴۰۰۸۔ ان کی روایت کے مطابق حدیث کے الفاظ یہ ہیں: حدثنا أبو كريب حدثنا عبد الله بن نمير وأبو معاوية عن الأعمش عن عمرو بن مرة عن أبي البختري عن أبي سعيد قال: قال رسول الله ﷺ: لا يحقر أحدكم نفسه، قالوا: يا رسول الله كيف يحقر أحدنا نفسه؟ قال: يرى أمراً لله عليه فيه مقال ثم لا يقول فيه، فيقول الله عزوجل له يوم القيامة: ما منعك أن تقول في كذا وكذا، فيقول: خشية الناس فيقول: فإياي كنت أحق أن تخشى" (رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم میں سے کوئی شخص اپنے آپ کو حقیر نہ بنائے، صحابہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ہم میں سے کوئی شخص اپنے آپ کو حقیر بنا سکتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: کوئی ایسی چیز دیکھے جس میں اللہ تعالی کی طرف سے کچھ کہنا اس کے اوپر فرض ہو اور وہ اس فرض کو ادا نہ کرے، ایسے شخص سے اللہ تعالی روز قیامت سوال کرے گا: تجھے فلاں فلاں معاملہ میں زبان کھولنے سے کس چیز نے روکا تھا؟ وہ کہے گا: لوگوں کے ڈر نے، اللہ تعالی فرمائے گا: میں اس بات کا زیادہ حق دار تھا کہ تو مجھ سے ڈرتا)۔

میں علماء کی توقیر یا ائمہ کی اقتداء کا جذبہ اسی صفت کی وجہ سے پایا جاتا تھا۔ اسی خشیت کے نتیجہ میں بنیادی مسائل خواص کے طبقہ سے نکل کر عوام تک پہنچتے تھے تاکہ بھلائی عام ہو اور تبدیلی اور اصلاح کا عمل مکمل۔

اس مسئلہ کا ایک اور پہلو بھی ہے اور اسی سے یہ علماء اور ائمہ ایک ایسے پیغام کے حامل بن سکیں گے جو اکیڈمیوں اور دانش گاہوں کی چہار دیواریوں سے نکل کر زندگی کے تمام شعبوں تک پھیلے گا، وہ یہ کہ یہی حضرات غیر سنجیدہ لوگوں کی بے قیدی یا خوف محسوس کرنے والوں کی علاحدگی پسندی سے تحفظ کا ذریعہ بنیں گے تاکہ لوگوں کو میانہ روی، اعتدال اور خوش گوار ماحول میں گفتگو اور مباحثہ کی سطح تک لاسکیں۔ اسی لئے ہمارے استاذ علامہ شیخ یوسف القرضاوی نے ۲۰۰۲ء میں فرانس میں منعقد ہونے والے یورپی کونسل برائے افتاء وتحقیق کے سمینار میں یہ حکیمانہ جملہ ارشاد فرمایا تھا: ''عوام کی خواہشات کی پیروی حکمرانوں کی خواہشات کی پیروی سے کم سنگین نہیں ہے'' اس پہلو پر نظر رکھنے کی ضرورت اس لئے ہے کہ بعض داعی یا ائمہ حضرات سامعین کے ذوق سے ہم آہنگ ہوجاتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ ان کے اردگرد لوگ کیسے ہیں، اگر وہ کسی متعین مسلک کے ماننے والے ہوتے ہیں تو وہ اس مسلک کو دوسرے مسالک پر ترجیح دیتے ہیں یا اگر وہ لوگ کسی مخصوص جماعت سے وابستہ ہوتے ہیں تو دوسری جماعتوں کو نظر انداز کرکے اس جماعت کا مقام بلند کرنا چاہتے ہیں۔ اگر وہ لوگ متشدد ہوتے ہیں تو یہ آسانی کا فتوی دینے سے ڈرتے ہیں، اگر وہ دیکھتے ہیں کہ لوگ لاپرواہ ہیں تو رخصت کا فتوی دے دیتے ہیں۔ یہ مغرب میں بطور خاص ہورہا ہے۔ کیونکہ ہمارے مشائخ کی تنخواہیں زیادہ تر ایسے اداروں اور کونسلوں کی طرف سے مقرر ہیں جو اپنے مزاج اور رجحانات کے اعتبار سے مختلف ہیں، اصلاح پسندانہ اجتہاد کے نقوش مٹتے جارہے ہیں اور جواز پسندانہ اجتہاد اس کی جگہ لیتا جارہا ہے۔ اس طرح مشرق میں حکمراں طبقہ کی خواہشات کی پیروی کی وجہ سے اور مغرب میں عامۃ المسلمین کی خواہشات کی

پیروی کی وجہ سے علماء کا کردار ختم ہوتا جا رہا ہے۔ اس وباء سے صرف وہی علماء محفوظ ہیں جن پر اللہ تعالی نے خاص عنایت فرمائی ہے اور ان کو محنت کی قوت، قلب کے یقین اور جرأت سے نوازا ہے تا کہ وہ مصالح اور مفاسد کے تعین، اسباب اور مقاصد کا جائزہ لینے اور لوگوں کو ان کے رب کی رضا کے مطابق فتوی دینے میں اللہ تعالی سے حفظ وامان طلب کرتے ہوئے اور اس پر کامل اعتماد کے ساتھ اپنے فرائض انجام دے سکیں۔ کیونکہ اللہ ہی بہتر محافظ اور وہی سب سے زیادہ رحم فرمانے والا ہے، چنانچہ اگر وہ آزمائشوں میں مبتلا ہوتے ہیں تو صبر کرتے ہیں اور انہیں یہ یقین ہوتا ہے کہ ان کے صبر اور اللہ پر یقین ہی کے نتیجہ میں ان کا پیغام زندہ دلوں اور ذہین دماغوں تک پہنچے گا اور اپنے رب کے حکم سے برگ وبار لائے گا جیسا کہ آج ہم زمانوں کے طویل فاصلوں کے باوجود اپنے بزرگ ائمہ کے علم سے مستفید ہو رہے ہیں۔ یہ اللہ تعالی کی اہل سنت ہے۔

میں اپنی ذات نیز ائمہ اور مفتی برادری کو مندرجہ ذیل امور کی تلقین کرتا ہوں:

۱- اگر علم شبہات کو دور کرتا ہے تو شہوات کے ازالہ کے لئے ائمہ اور علماء کو تمام لوگوں سے بڑھ کر نفس کے مجاہدہ کی ضرورت ہے، کیونکہ محض شریعت کا علم اہل علم کو پاکیزہ، متقی اور صاف ستھرا نہیں بنا سکتا، اس کے لئے مجاہدہ، تزکیہ، راتوں میں عبادت اور دن میں روزوں کی تربیت، تدبر وتفکر، اللہ کے آگے انکساری، نفس کے محاسبہ اور اللہ تعالی سے ملاقات کی تیاری ضروری ہے۔

۲- ہدایت اور فتوی میں درست نتیجہ تک پہنچنے کی دعا کی پابندی ضروری ہے۔ ابن القیم اعلام الموقعین میں لکھتے ہیں: ''مفتی کے لئے مناسب ہے کہ وہ کثرت سے اس بات کی دعا کرے کہ اللہ تعالی اس کی زبان سے صحیح بات ادا کروائے، وہ یہ دعا کرے: "اللهم رب جبرائيل وميكائيل وإسرافيل فاطر السموات والأرض عالم الغيب والشهادة أنت تحكم بين عبادك فيما كانوا فيه يختلفون، اهدني لما اختلف فيه من الحق بإذنك، إنك تهدي من تشاء إلى صراط مستقيم" (اے اللہ! جبرئیل

ومیکائیل اور اسرافیل کا رب! آسمانوں اور زمین کا خالق! غیب اور شہود کا جاننے والا! تو ہی اپنے بندوں کے درمیان ان معاملات میں جن میں وہ اختلاف کررہے ہیں، فیصلہ کرسکتا ہے، مجھے اپنی توفیق سے اختلافی معاملہ میں درست بات کی رہنمائی فرما، بے شک تو ہی جسے چاہے سیدھے راستہ کی رہنمائی فرماسکتا ہے)۔ امام احمد سے دریافت کیا گیا: آپ کے بعد ہم کس سے مسائل کے حل کے لئے رجوع کریں: امام احمد نے جواب دیا: تم لوگ عبدالوہاب وراق سے مسائل دریافت کرو، کیونکہ وہ اس بات کے اہل ہیں کہ ان کی رہنمائی درست بات تک ہو۔

۳- نبی ﷺ کی وہ حدیث ہمیشہ یاد رکھنی چاہئے جسے ابن ماجہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوسعید خدریؓ کے حوالہ سے ذکر کیا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: " لَا يحقر أحدكم نفسه، قالوا: يا رسول الله! كيف يحقر أحدنا نفسه؟ قال: يرى أمراً، لله عليه فيه مقال، ثم لَا يقول فيه، فيقول الله عزوجل له يوم القيامة: ما منعك أن تقول في كذا وكذا؟ فيقول: خشية الناس، فيقول: فإياي، كنت أحق أن تخشى" (۱) (تم میں سے کوئی شخص اپنے کو حقیر نہ بنائے، صحابہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ہم میں سے ایک شخص کس طرح اپنے کو حقیر بناسکتا ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: وہ کوئی ایسی چیز دیکھے جس میں اللہ تعالی کی طرف سے اس کے ذمہ کچھ کہنا لازم ہو اور وہ اپنی اس ذمہ داری کو انجام نہ دے تو اللہ تعالی قیامت کے روز اس سے کہے گا: تمہیں فلاں فلاں معاملہ میں حق بات کہنے سے کس چیز نے روکا؟ وہ کہے گا کہ لوگوں کے خوف نے، تب اللہ تعالی فرمائے گا: میں اس بات کا زیادہ مستحق تھا کہ تو مجھ سے ڈرتا)۔

۴- ہر مفتی اور امام کے ذہن سے شاعر کا یہ شعر محو نہ ہونا چاہئے:

ولَا تكتب بخطك أي شيئ لَا يسرك يوم القيامة أن تراه

(تم اپنے ہاتھ سے کوئی ایسی چیز نہ لکھو جسے دیکھ کر روز قیامت خوش نہ رہ سکو)۔

۱- سنن ابن ماجہ باب الأمر بالمعروف والنہي عن المنکر (۴/۱۳۲۸)۔

چھٹا ضابطہ:

عبادات اور معاملات دونوں میں ''فقہ المقاصد'' کی بنیادی حیثیت دینا

اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے افعال اور اس کے احکام لغویت سے پاک ہیں، اس کے ہر ہر حکم کے پیچھے ایک یا ایک سے زائد مقاصد ہیں جن کا ادراک عقل کبھی کر لیتی ہے اور کبھی نہیں کر پاتی۔ ''فقہ لأ قلیات'' کے سلسلہ میں قدیم فقہی ذخیرہ کی طرف رجوع ضروری ہے، اس کے مطالعہ سے ہمیں معلوم ہوگا کہ کسی بھی فقیہ نے مقاصد اور تعلیل کو نظر انداز نہیں کیا ہے سوائے ابن حزم اور ان کے ظاہری مکتب فکر کے، اس کے برعکس جمہور تعلیل اور مقاصد کے قائل ہیں اگر چہ ان میں سے بعض نے اپنی تحریروں میں ان کی طرف صرف اشارات کئے ہیں، بعض نے ان کی بنیادیں ذکر کی ہیں اور بعض نے صرف ان کی نظریہ سازی کی ہے لیکن بیش تر فقہاء نے فتوی دیتے وقت یا اجتہاد کرتے وقت عملی تطبیق کی صورت میں مصالح اور مقاصد کو اختیار کیا ہے، اگر ایسا نہ ہوتا تو قیاس جو محدود تعلیل کی روح ہے اور مصالح یعنی وسیع تعلیل نیز استحسان، سد ذرائع اور شرعی حیلے جیسے اصول وجود میں نہ آتے۔ یہ تمام اصول مجموعی طور پر ''فقہ مقاصد'' ہی کے گرد گھومتے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ ان حضرات کی تحریروں کو از سر نو پڑھنے کی ضرورت ہے جنہوں نے اس موضوع کی طرف اشارات کئے ہیں یا اس کی نظریہ سازی کی ہے جیسے ابو منصور ماتریدی متوفی ۳۳۳ھ نے ''ماخذ الشرائع''میں، قفال کبیر ابوبکر متوفی ۳۶۵ھ نے ''محاسن الشریعۃ''میں، ابوبکر ابہری مالکی متوفی ۳۷۵ھ نے ''مسألۃ الجواب والدلائل والعلل''میں، باقلانی متوفی ۴۰۳ھ نے ''الاحکام والعلل''اور ''المقنع فی أصول الفقہ''میں، جوینی متوفی ۴۷۸ھ نے ''البرہان''اور ''الغیاثی''میں، غزالی متوفی ۵۰۵ھ نے ''المستصفی''، ''شفاء العلیل''، ''إحیاء علوم الدین''اور ''المخول''میں فخر

الدین رازی متوفی ۶۰۶ھ نے ''التفسیر الکبیر'' میں، آمدی متوفی ۶۳۱ھ نے ''الإحکام فی أصول الأحکام'' میں، ابن الحاجب متوفی ۶۴۶ھ نے ''منتہی الوصول والأمل فی علمي الأصول والجدل'' میں، بیضاوی متوفی ۶۸۵ھ نے ''منہاج الوصول إلی علم الأصول'' میں، الإسنوی متوفی ۷۷۲ھ نے، ''نہایۃ السول فی شرح الأصول'' میں، العز بن عبد السلام متوفی ۶۶۰ھ نے شجرۃ المعارف والأحوال وقواعد الأحکام فی مصالح الأنام'' میں، شہاب الدین قرافی متوفی ۶۸۵ھ نے ''الفروق'' میں، نجم الدین طوفی متوفی ۷۱۶ھ نے ''المصلحۃ'' میں (اگرچہ وہ اس سلسلہ میں کہیں کہیں غلو کر گئے ہیں)، ابن تیمیہ متوفی ۷۲۸ھ نے ''الفتاوی'' میں اور ان کے شاگرد ابن القیم متوفی ۷۵۱ھ نے ''اعلام الموقعین عن رب العالمین''، ''الطرق الحکمیۃ فی الإصلاح الراعي والرعیۃ'' اور ''بدائع الفوائد'' میں، ابن السبکی متوفی ۷۷۱ھ نے ''جمع الجوامع بحاشیۃ البنانی'' میں، اس فن کے اصول وفروع کے ماہر امام ابو اسحاق شاطبی متوفی ۷۹۰ھ نے ''الموافقات'' اور ''الاعتصام'' میں، شوکانی متوفی ۱۲۵۵ھ نے ''إرشاد الفحول'' اور ''نیل الأوطار'' میں، شاہ ولی اللہ دہلوی متوفی ۱۷۶۲ء نے ''حجۃ اللہ البالغۃ'' میں، شیخ محمد عبدہ متوفی ۱۹۰۵ء اور ان کے شاگرد محمد رشید رضا متوفی ۱۹۳۵ء نے ''المنار'' میں، ابن عاشور متوفی ۱۹۷۳ء نے ''المقاصد الشرعیۃ'' اور ''التنویر والتحریر'' میں اور علال الفاسی متوفی ۱۹۷۴ء نے، ان کے علاوہ معاصر فقہ کے ماہرین شیخ ابو زہرہ، شیخ خضری، شیخ علی حسب اللہ، ڈاکٹر قرضاوی، ڈاکٹر عبد المجید النجار، ڈاکٹر اسماعیل حسنی، احمد ریسونی، ڈاکٹر یوسف حامد العالم، ڈاکٹر طہ جابر العلوانی، ڈاکٹر محمد البلتاجی اور دیگر علماء نے(۱)۔

۱- عام طور پر بیش تر حضرات نے ''فقہ المقاصد'' پر قلم اٹھایا ہے یہ ایک عمدہ باب ہے جس کا سہرا عصر جدید کے علماء نیز علماء سلف کے سر بھی جاتا ہے کیونکہ علماء سلف نے اس علم کی بنیاد ڈالی۔ اس موضوع پر لکھنے والوں میں سے بعض نمایاں افراد یہ ہیں: ڈاکٹر جاسر عودہ: ان کی کتاب ہے ''فقہ المقاصد- إناطۃ الأحکام الشرعیۃ بمقاصدہا شائع کردہ المعہد العالمی للفکر الإسلامی؛ طبع اول ۲۰۰۶ء نیز دیکھئے: مقاصد الشریعۃ الاسلامیہ- دراسات فی قضایا الإصلاح والحالات التطبیق از ڈاکٹر محمد سلیم العوا شائع کردہ: مؤسسۃ الفرقان للتراث الاسلامی، مرکز دراسات مقاصد الشریعہ، طبع اول ۲۰۰۶ء۔ اس موضوع پر سب سے جامع کتاب ڈاکٹر محمد کمال امام کی ہے: الدلیل الإرشادی إلی مقاصد الشریعۃ الاسلامیۃ شائع کردہ: مؤسسۃ الفرقان للتراث الاسلامی، مرکز دراسات مقاصد الشریعہ۔

یہ عظیم ذخیرہ اس بات کا متقاضی ہے کہ اس کا مطالعہ کیا جائے، اسے محفوظ کیا جائے اور اس کا مکمل علم حاصل کیا جائے تا کہ علم مقاصد کو عبادات اور معاملات میں اس کا مناسب مقام دیا جا سکے۔

اس سیاق میں میں مقاصد کی سمجھ حاصل ہونے اور اس کے ادراک کے ممکن ہونے میں عبادات اور معاملات کے درمیان فرق نہیں کرتا، کیونکہ یہ ہوسکتا ہے کہ مقاصد ایک فقیہ پر مخفی رہ جائیں اور کوئی دوسرا فقیہ ان کا ادراک کر لے۔ یہ ممکن ہے کہ ہم مقاصد کا ادراک معاملات میں زیادہ کرلیں اور عبادات میں کم، لیکن ایک چیز کا علم نہ ہونے سے اس کے وجود کی نفی نہیں ہوتی ہے۔ اسی لئے حضرت عمرؓ کے زمانہ میں مسجد میں تراویح کی نماز ادا کرنے میں کوئی حرج واقع نہیں ہوا، حضرت عمرؓ نے اسے بیس رکعت قرار دیا، حضرت عثمانؓ نے اسے بڑھا کر چھتیس رکعت کر دیا، مزید یہ کہ حضرت عثمانؓ نے زوراء کے علاقہ میں ایک اذان شروع کرائی، صدقۂ فطر کی ادائیگی کو نقد کی صورت میں یا اہل علاقہ کی غالب غذا سے نکالنے کو جائز قرار دیا، اسی طرح انہوں نے عورتوں، کمزوروں اور بیماروں پر حد رجم کے نفاذ کے لئے آسان وقت کے انتخاب کو جائز قرار دیا۔

لیکن ''فقہ المقاصد'' کا یہ مطلب نہیں ہے کہ کسی جزئی حکم کے سلسلہ میں وارد کسی قطعی نص کو محض اس وجہ سے نظر انداز کر دیا جائے کہ وہ مجتہد کے ذہن میں موجود کسی عمومی مقصد سے ہم آہنگ نہیں ہے۔ ترجیحی صورت یہ ہے کہ نص کو زیر عمل لایا جائے، اسے بے مصداق نہ چھوڑا جائے، متعدد نصوص کو جمع کرنے کی کوشش کی جائے، پہلے ہی مرحلہ میں انہیں منسوخ نہ قرار دیا جائے نہ ان کے درمیان ترجیح قائم کر دی جائے، کیونکہ مقصد کلی جزئی نصوص ہی سے ماخوذ ہوتا ہے اور یہ ممکن نہیں کہ نصوص شرعی میں جزئی کلی سے متعارض ہو۔ اگر یہ چیزیں غیر اللہ کی طرف سے وارد ہوئی ہوتیں تو ان میں ضرور اختلاف ہوتا۔

شاید دور اول کے فقہاء میں سیدنا عمر بن الخطابؓ نے سب سے زیادہ امر جزئی میں

وارد نص اور مقصد کلی کے درمیان جمع و تطبیق سے کام لیا، چنانچہ انہوں نے حجر اسود کو بوسہ دینے، اضطباع (احرام کی دو چادروں میں سے اوپر والی چادر کو داہنی بغل سے نکال کر بائیں کندھے پر ڈالنا) اور رمل (طواف کے پہلے تین پھیروں میں جلدی اور زور سے قدم اٹھانا مگر نزدیک نزدیک قدم رکھنا اور کندھوں کو ہلانا) میں حدیث پر من وعن عمل کیا لیکن مصارف زکاۃ میں مؤلفۃ القلوب کے حصہ، سزاؤں کے باب میں چور کا ہاتھ کاٹنے اور تین طلاقیں نافذ کرنے میں وسعت اختیار کرتے ہوئے اجتہاد مقاصدی سے کام لیا۔ انہوں نے ابوحذیفہ کو کتابیہ سے نکاح کرنے نیز عراق میں ارض سواد کی تقسیم سے منع فرمادیا، اسی طرح انہوں نے ماں کو شوہر کے حصہ سے بچ رہے مال میں سے تہائی کا وارث قرار دیا تاکہ باپ ماں کے دوگنے حصہ کا مستحق ہوسکے۔ عول اور مسئلہ مشترکہ (۱) ان مسائل میں سے ہیں جن کے بارے میں میرے استاذ ڈاکٹر محمد البلتاجی نے اپنی کتاب ''منہج عمر بن الخطاب فی التشریع'' میں یہ رائے ظاہر کی ہے کہ حضرت عمرؓ کا شمار ان فقہاء میں ہے جو تمام احکام ومسائل میں ''فقہ مقاصد'' اور ''فقہ مصالح'' کو پیش نظر رکھتے تھے (۲)۔

شاید مبالغہ نہ ہو اگر ہم یہ کہیں کہ بنی قریظہ میں نماز عصر کا مسئلہ ایک قطعی الدلالۃ اور قطعی الثبوت نص سے ثابت تعبدی معاملہ میں مقاصدی اجتہاد تھا۔ اس کے باوجود جن لوگوں نے راستہ میں نماز ادا کی وہ اہل معانی اور قیاس کے سلف ہیں اور جن حضرات نے قبیلہ بنی قریظہ میں پہنچ کر نماز ادا کی وہ اہل ظاہر کے سلف ہیں جیسا کہ ابن القیم نے ذکر کیا ہے۔ یہ دو فکری مناہج ہیں اور یہ اس وقت تک باقی رہیں گے جب تک دلوں میں اتحاد باقی رہے گا خواہ عقلوں میں کتنا ہی اختلاف ہو، کیونکہ عقلوں کا اختلاف ایک دولت ہے اور دلوں کا اختلاف ایک وبا ہے۔

۱- دیکھئے: موسوعۃ فقہ عمر بن الخطاب از ڈاکٹر محمد رواس قلعہ جی مکتبۃ الفلاح، کویت، طبع اول ۱۴۰۱ھ/۱۹۸۱ء۔

۲- دیکھئے: منہج عمر بن الخطاب دراسۃ مستوعبۃ لفقہ عمر بن الخطاب وتنظیماتہ از ڈاکٹر محمد بلتاجی حسن- دار الشباب ۱۹۹۸ء۔

امام ابن تیمیہ کا یہ عمل بھی اجتہاد مقاصدی ہی کے قبیل سے ہے کہ انہوں نے جب اپنے ایک شاگرد کو تاتاریوں کے بارے میں یہ کہتے سنا کہ یہ لوگ شراب پیتے ہیں، لہذا ان کو اس عمل سے روکنا آپ کی ذمہ داری ہے تو فرمایا: اللہ نے شراب کو اس لئے حرام قرار دیا ہے کہ وہ لوگوں کو اللہ کی یاد اور نماز سے روکتی ہے، ان لوگوں کا معاملہ یہ ہے کہ شراب ان کو لوگوں کو قتل کرنے، عورتوں اور بچوں کو گرفتار کرنے اور لوگوں کا مال لوٹنے سے روکتی ہے، اس لئے ان کو چھوڑ دو (۱)۔

مقاصد کے موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے مجھے خیال آتا ہے کہ ان کی مندرجہ ذیل تین قسمیں ایسی ہیں جن پر مزید محققانہ مطالعہ کی ضرورت ہے:

۱-عمومی مقاصد

ان کی حیثیت تمام احکام کے عمومی دائرہ کی ہے۔ اس دائرہ سے شریعت کے تمام ابواب میں سے کسی بھی باب سے متعلق کوئی جزئی حکم خارج نہیں ہے جیسے ضرر اور ازالہ، آسانی پیدا کرنا، تعمیر، تزکیہ، اصلاح، انصاف اور امانت۔

۲-جزئی مقاصد

یہ فقہ اسلامی کے مختلف شعبوں یا ابواب میں سے ہر باب کے دائرہ کی حیثیت رکھتے ہیں جیسے یہ قواعد کہ مال صرف مال داروں کے درمیان گردش کرتا نہ رہ جائے، خراج ضمان کے عوض ہے اور تاوان منفعت حاصل کرنے کا بدلہ ہے، اسی طرح خاندانی تعلقات کے ابواب میں حسن معاشرت، شادی کی کارروائیوں اور ذمہ داریوں کو آسان بنانا، طلاق کے اسباب کا ازالہ، اسی طرح توجہ، نگہداشت اور عفت وشرف کے پہلو سے شوہروں، بیویوں، بچوں اور سن رسیدہ لوگوں کو تحفظ فراہم کرنا نیز انتظامی امور میں شورائیت کو بروئے کار لانا اور شرعی سیاست میں دین کا

۱- الفتاوی الکبری ۴/ ۶۵ ۴۔

تحفظ اور دنیا کا انتظام وانصرام۔

۳- خصوصی احکام

یہ مستقل طور پر ہر حکم کا خاص دائرہ ہے۔ کچھ لوگوں کو اللہ تعالیٰ ان میں سے بعض کے ادراک کی صلاحیت عطا فرماتا ہے جب کہ دوسرے اس سے محروم رہتے ہیں۔ ان ہی میں سے وہ شرعی مقاصد ہیں جن کا ادراک بعض لوگوں کو ہو جاتا ہے جیسے رات کے بجائے دن میں روزہ رکھنے کا مقصد، محرمات سے نکاح کی حرمت کا مقصد، تنہا ہونے کی صورت میں بہن کے تمام میراث پانے، زوجین میں سے کسی ایک کے ساتھ ہونے کی صورت میں نصف پانے، اس کو بھائی کا نصف ملنے اور والد کی موجودگی میں اسے کچھ نہ ملنے کے مقاصد، اسی طرح چور کا ہاتھ کاٹنے، زانی کا ہاتھ نہ کاٹنے، نیز خرید وفروخت میں سلم اور اختیار کے مشروع قرار دیئے جانے اور شرکت میں مضاربت کے مقاصد۔

اس منہج سے ترجیح وتقابل اور نتائج کی وضاحت میں نیز ایک دوسرے سے ملے ہوئے اور باہم متقابل حقوق وفرائض کی رعایت میں مدد ملتی ہے اور کسی قطعی نص کو لغو قرار دینا یا اس کے خلاف کرنا بھی لازم نہیں آتا۔

شاید مذکورہ تین مقاصد کی انواع پر مزید غور کرنے سے یہ نتیجہ نکلے گا کہ کسی خاص مسئلہ سے متعلق کسی خاص مقصد کی رعایت ممنوع ہوگی جب کہ وہ خاص مسئلہ اپنے باب کے کسی جزئی مقصد سے یا تمام احکام کے کسی کلی مقصد سے متصادم ہو جائے جیسے ایک مجلس میں دی گئی تین طلاقوں کو ایک طلاق نہ مان کر صرف کسی ایک فقہی رائے پر اصرار کرنا۔ اس سے پورے خاندان پر آزمائشوں اور نقصانات کا دروازہ کھل جاتا ہے۔ یہ رائے موجودہ عمومی صورت حال میں مناسب نہیں ہے۔ مغرب کی موجودہ صورت حال میں تو یہ اور زیادہ نامناسب ہے جہاں شادی کے معاملہ میں مزید آسانی اور وسعت کی اور جہاں تک ممکن ہو سکے ازدواجی زندگی کے انتشار

کے امکانات کو کم سے کم کرنے کی شدید ضرورت ہے۔ اسی اصرار کی ایک مثال ہماری فقہی تاریخ کا وہ فتوی ہے جسے اب بھی مغرب میں بعض حضرات نقل کر رہے ہیں یعنی یہ مسئلہ کہ نومسلم اپنے غیر مسلم رشتہ داروں کی میراث میں حصہ نہیں پائے گا۔ یہ فتوی تالیف قلوب اور غیر مسلموں کو اسلام کی طرف راغب کرنے جیسے کلی مقصد سے جس کے نتیجہ میں نومسلم کے مادی اور معنوی حقوق میں اضافہ ہونا چاہئے نہ کہ کمی، سے متصادم ہے۔ نومسلم کے وارث ہونے کی صورت میں سارا مال غیر مسلم کے ہاتھ میں جانے سے بچ جائے گا جو پورے کا پورا مال حاصل کر کے اسے حرام راستوں میں خرچ کرتا ہے۔ یہ فتوی اس مقصد کلی سے کہ جہاں تک ممکن ہو شر کو کم کرنا فرض ہے، متعارض ہے۔

عمومی، جزئی اور خصوصی مقاصد کی رعایت سے متعلق اس ترتیب کو موجودہ دور کے قوانین سے یوں مطابقت دی جاسکتی ہے کہ قانونی ترتیب کے مطابق انتظامی فیصلوں کا عملی پروگراموں سے متصادم ہونا جائز ہے جب کہ ان دونوں کا قانون کے خلاف ہونا جائز نہیں ہے اور قانون اس بات کا پابند ہے کہ دستور کی کسی دفعہ سے متعارض نہ ہو۔

ساتواں ضابطہ:

اندرونی وسائل اور بیرونی حالات کے مطابق ترجیحات کا لحاظ

ضروری ہے کہ دعوت کے ہر ہر مرحلہ میں نص قرآنی اور طریقہ نبوی کی پیروی کرتے ہوئے ان دونوں معیاروں یعنی اندرونی وسائل اور بیرونی حالات کے مطابق ترجیحات کی رعایت کی جائے، کوئی صاحب بصیرت داعی اس سلسلہ میں ہرگز غلطی نہیں کرے گا۔ پہلا مرحلہ خفیہ دعوت کا تھا، اس دور میں مسلمانوں کے ناموں تک اعلان نہیں کیا گیا یہاں تک کہ حضرت حمزہؓ اور حضرت عمرؓ نے اسلام قبول کرلیا۔ اب دعوت تو اعلانیہ ہوگئی مگر کمزور مسلمانوں کے نام مخفی ہی رہے اور ایک جماعت نے تصادم سے گریز کرتے ہوئے ایک ایسی سرزمین میں جہاں کسی پر ظلم نہیں ہوتا تھا، گفتگو اور دعوت کا آغاز کرتے ہوئے اس کی طرف ہجرت کی یعنی حبشہ کی طرف، اس دور میں طریقہ کار یہ تھا: "کفوا أیدیکم و أقیموا الصلاۃ و آتوا الزکاۃ" (سورہ نساء ۷۷) (اپنے ہاتھوں کو روکے رہو اور نماز کی پابندی کرو اور زکوۃ دیتے رہو)۔

نبی ﷺ نے بیرونی حالات یعنی ایذا رسانی، تشدد اور استہزاء پر کوئی ردعمل نہیں ظاہر کیا یہاں تک کہ سمیہ بنت خیاط کی شرم گاہ میں نیزہ مار کر ان کو شہید کیا گیا، ان کے شوہر یاسر بھی قتل کردیئے گئے، اس صورت حال میں آپ ﷺ فرماتے تھے: "صبراً آل یاسر! إن موعدکم الجنۃ" (۱) (خاندان یاسر! صبر کرو، تم سے جنت کا وعدہ ہے)۔ آپ ﷺ نے حضرت سعدؓ کو جلد بازی اور قبل از وقت اقدام سے اللہ تعالی کے اس فرمان کی بنا پر روکا: "فاصبر إن وعد

۱- تخریج کنز العمال از علامہ علاء الدین علی المتقی بن حسام الدین الہندی متوفی ۹۷۵ھ، جلد ۱۳، باب فی فضل الصحابۃ حرف العین۔ عمار، مؤسسۃ الرسالۃ ۱۴۱۳ھ/ ۱۹۹۳ء۔

الله حق ولا یستخفنک الذین لا یوقنون " (سورہ روم:۶۰)(سوآپ صبر کیجئے بے شک اللہ کا وعدہ سچا ہے اور جولوگ بے یقین ہیں کہیں آپ کو بے برداشت نہ کردیں)۔

اس کے برعکس جب آپ ﷺ کے پاس اقتدار آیا تو آپ محض اتنی سی بات بھی برداشت نہ کر سکے کہ بنوقینقاع کے بازار میں ایک مسلمان عورت کے ساتھ بدتمیزی کی گئی۔ یہ سمیہ کے ساتھ پیش آنے والے واقعہ کے مقابلہ میں بہت چھوٹی سی بات تھی لیکن معاملہ یہ تھا کہ اب نبی ﷺ کے پاس حکومت تھی جب کہ اس سے پہلے مسلمان ہر طرف سے دشمنوں کی زد میں تھے۔اس صورت حال میں بھی آپ ﷺ نے صرف بنوقینقاع سے مقابلہ کیا اور تمام یہود کو نشانہ نہ بنا کر ہمیں انصاف کرنا سکھایا حالانکہ ان کے پڑوس ہی میں بنونضیر اور بنوقریظہ بھی تھے۔ آپ ﷺ نے ان سے کوئی تعرض نہ کیا، کیونکہ اس وقت تک ان کی طرف سے کسی قسم کی بدعہدی ظاہر نہیں ہوئی تھی۔

لیکن جب مسلمانوں کے خاتمہ کے ارادہ سے دس ہزار جنگ جوؤں نے مدینہ پر حملہ کرنے کی کوشش کی اور خندق کی کھدائی کے وقت جنوب میں بنوقریظہ کی غداری کی وجہ سے مدینہ غیر محفوظ ہوگیا تو اقتدار کے موجود ہوتے ہوئے بھی آپ ﷺ بعض قبائل جیسے بنوغطفان وغیرہ سے مدینہ کی تہائی کھجوروں کے عوض صلح کے لئے آمادہ تھے۔اگر مدینہ کی بعض قیادتوں نے اس تجویز کو نامنظور نہ کیا ہوتا تو یہ معاملہ طے پا چکا تھا۔

آپ ﷺ نے صلح حدیبیہ کی بعض دفعات اور الفاظ میں بھی نرمی سے کام لیا جیسے "رسول اللہ" لکھنے کا مسئلہ یا یہ شرط کہ اگر کوئی غیر مسلم اسلام قبول کر کے مدینہ آئے گا تو مسلمان اسے مکہ لوٹانے کے پابند ہوں گے۔ یہ نرمی ایک بڑے مقصد کی وجہ سے تھی یعنی یہ مصلحت کہ اسلامی دعوت جزیرۃ العرب کے اندرونی وبیرونی حصہ میں عام ہوجائے۔آپ ﷺ اس سلسلہ میں اہل ایمان کے جوش نیز موت اور جہاد پر ان کی بیعت اور کفار کی طرف سے مسلمانوں کو مسجد

حرام سے روکنے کی کوشش میں ان کے غرور سے ذرا متاثر نہ ہوئے، نہ آپ ﷺ نے حضرت عمرؓ وغیرہ کی حمیت پر کان دھرا، آپ ﷺ اس وقت بھی اپنے موقف پر قائم رہے جب صحابہ نے حلق اور ذبح کے ذریعہ احرام سے باہر آنے میں توقف کیا، آپ ﷺ ان کی خواہشات کی ذرہ برابر پرواہ نہ کرتے ہوئے اپنے اعمال انجام دیتے رہے۔ آپ ﷺ کی سیرت کا یہ پہلو اس وقت اور نکھر کر سامنے آگیا جب آپ ﷺ مکہ میں فاتحانہ داخل ہورہے تھے اور لوگ فوج درفوج اللہ کے دین میں شامل ہورہے تھے۔ آپ ﷺ نے کعبہ کو منہدم کرکے اسے ابراہیمی بنیادوں پر تعمیر کرنے کی کوشش نہیں کی، کیونکہ اس سے نئے نئے اسلام میں داخل ہونے والوں کے مرتد ہونے کا خطرہ تھا، نہ آپ ﷺ نے منافقین کو قتل کیا تاکہ اس کی وجہ سے لوگ اسلام میں داخل ہونے سے دامن نہ بچانے لگ جائیں۔ اس وقت اتحاد اور شیرازہ بندی پہلی ترجیح تھی۔ یہ بعینہ وہی موقف ہے جو حضرت ہارون علیہ السلام نے بنی اسرائیل کے معاملہ میں اس وقت اختیار کیا تھا جب بنی اسرائیل نے بچھڑے کی پرستش کی تھی اور جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس بات پر ان کی سرزنش کی تو انہوں نے جو جواب دیا وہ قرآن کے الفاظ میں یہ ہے: "إني خشيت أن تقول فرقت بين بني إسرائيل ولم ترقب قولي" (سورہ طٰہٰ: ۹۴) (مجھے تو یہ اندیشہ ہوا کہ کہیں تم یہ نہ کہنے لگو کہ تم نے بنی اسرائیل کے درمیان تفریق ڈال دی اور میری بات کا انتظار نہ کیا)۔

یہ ترجیحات کی رعایت کے بعض دلائل ہیں۔ ان کو ہمارے استاذ علامہ شیخ قرضاوی نے "فقہ الأقلیات"، "فقہ الأولویات"، فقہ المآلات" اور "فقہ الموازنات" کے اصولوں کے ضمن میں بیان کیا ہے۔ ان کے بیان میں متعدد علماء ان کے ساتھ شریک ہیں۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ ان پر مزید گہرائی کے ساتھ غور وفکر کیا جائے، ان کے اصول فراہم کئے جائیں اور ان میں وسعت پیدا کی جائے تاکہ یہ ہر نوع کے اجتہاد بالخصوص "فقہ الاقلیات" سے متعلق اجتہاد کا جزء بن سکیں۔

میرا خیال ہے اور اس کے لئے اجتماعی اجتہاد درکار ہے کہ مغرب میں مسلمانوں کی ترجیحات کی ترتیب یہ ہونی چاہئے:

اول: افراد (عورت اور مرد) اور اداروں کی تعمیر کے درمیان توازن (گھوڑے سے پہلے گاڑی کا انتظام)۔

دوم: ملک کے اصل باشندوں کے اندر سے زندہ قیادت کی تیاری۔

سوم: مرحلہ بمرحلہ تعلیمی اور دعوتی پروگراموں میں نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کی شمولیت۔

چہارم: تمام جماعتوں اور قومیتوں کے درمیان اسلامی وحدت۔

پنجم: اسلامی اداروں کے استحکام کے لئے خیراتی اوقاف کی تعمیر کی کوشش۔

ششم: دنیا کی تمام زندہ زبانوں میں چینلوں اور ابلاغی اداروں کا قیام۔

ہفتم: غیر مسلموں کے ساتھ خوش اسلوبی سے گفتگو اور مذاکرات کا آغاز اور ان کے لئے مفید خدمات انجام دینا۔

ہشتم: اسلامی بنیادوں پر اقتصادی پروجیکٹوں کی تشکیل تاکہ مسلمانوں کے مال کو سود پر مبنی اقتصادیات میں استعمال ہونے سے بچایا جا سکے۔

یہ محض ایک نقطۂ نظر ہے جس پر فقہی انداز میں اجتماعی غور وفکر کی ضرورت ہے، اس میں کسی ملک، کسی صوبہ اور کسی شہر کی خصوصیات کو نظر انداز نہیں کیا گیا ہے۔ اہل مکہ اپنے پہاڑی راستوں سے زیادہ باخبر ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ امریکہ اور یورپ جہاں بہت آزادی ہے، کے مسلمانوں کی ترجیحات بھارت، کشمیر اور چیچنیا کے مسلمانوں کی ترجیحات سے مختلف ہیں بلکہ خود ہمارے مسلمان ممالک کی صورت حال مختلف ہے۔ یہاں کی ترجیحات میں متعدد طرح کی آزادیوں کا مسئلہ، باعزت زندگی گذارنے کا حق، نسل پرستی اور عزت وآبرو اور مقدسات پر حملہ

کی روک تھام ہے۔

اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ مسئلہ فلسطین سے متعلق پوری امت کی ترجیحات فلسطین کے اندرون میں موجود مسلمانوں کی ترجیحات سے مختلف ہیں۔ یہاں کے مسلمانوں پر ظلم وجبر اور قتل وتخریب کے نئے نئے حربے آزمائے جارہے ہیں جن کا مقابلہ ان پر فرض ہے جب کہ بقیہ پوری امت پر ان کا مسلسل تعاون فرض ہے۔

آٹھواں ضابطہ:

مختلف مسالک کی باہمی قربت اور اجتہاد میں انتخاب یا تخلیقیت

مسالک کے معاملہ میں غلو پایا جاتا ہے۔ بعض لوگ ان کے سرے سے خاتمہ ہی کی دعوت دینے لگتے ہیں، ان کا نعرہ ہے: ''اسلام بلامسالک'' دوسری طرف وہ مسلکی تعصب ہے جو ایک ہی مسلک کی آراء کے اندر محدود ہونے کی دعوت دیتا ہے خواہ کتنی ہی کمزور دلیل کیوں نہ ہو یا زمانی اور مکانی تغیرات سے وہ کتنی ہی غیر ہم آہنگ کیوں نہ ہو(۱)، حالانکہ ہر معاملہ میں سب سے بہتر اس کا معتدل پہلو ہوتا ہے یعنی مختلف مسالک کو باہم قریب کرنے کی ضرورت ہے جیسا کہ شیخ

۱- یوں تو مسلکی تعصب کی مثالیں بہت ہیں مگر میں یہاں بطور مثال صرف دو واقعات کا ذکر کروں گا: پہلا واقعہ دسمبر ۲۰۰۴ء میں نئی دہلی میں اس وقت پیش آیا جب ہم نے اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کے ایک اجلاس میں اس موضوع پر گفتگو کی کہ ایک مجلس میں دی گئی تین طلاقیں تین ہی واقع ہوں گی یا ایک تو اکیڈمی کے نائب صدر صاحب نے فرمایا کہ ہم لوگ حنفی ہیں اور ہم ہرگز اس حکم میں کوئی تبدیلی نہیں کرسکتے۔ ایک عالم نے یہ فتوی دے دیا تھا کہ ایسی تین طلاقیں ایک ہی شمار کی جائیں گی تو علماء نے ان پر اعتماد کرنا چھوڑ دیا اور اب ان سے کسی کا کوئی تعلق نہیں ہے میں نے ان کی یہ باتیں سن کر ان سے کہا کہ یہ فکری دہشت گردی ہے یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے اجماعی نہیں ہے امام ابن تیمیہ اور ان کے شاگرد ابن القیم نے اس مسئلہ پر بہت عمدہ بحث کی ہے اور بہت سے مسلم ممالک نے ان کی رائے کو اختیار کیا ہے۔ ہم یورپ اور امریکہ میں اسی پر فتوی دیتے ہیں لیکن شیخ نے مسلک کے فتوی سے عدول کو قبول نہیں کیا۔

دوسرا واقعہ نیویارک میں پیش آیا، ایک امریکی شہری نے جیل میں اسلام قبول کیا، اس نے اسلام کے اصول ومبادیات سیکھے اور جیل انتظامیہ سے درخواست کی کہ اس کے لئے ایک امام کا تقرر کیا جائے، جیل انتظامیہ نے فقہی کونسل برائے شمالی امریکہ سے درخواست کی کہ وہ ایک ایسا امام تجویز کریں جو اس جیل سے قریب ہو تاکہ وہ ہفتہ میں ایک بار اس قیدی سے ملاقات کرسکے، چونکہ یہ امام اس نومسلم قیدی کے مسلک سے مختلف مسلک کا ماننے والا تھا اس لئے کونسل کے خلاف مقدمہ درج کروادیا گیا اور ہم پر پندرہ ہزار ڈالر کا جرمانہ عائد کیا گیا، عدالتی طور پر یہ مسئلہ اس وقت حل ہوسکا جب اس مسلک کے ایک امام نے عدالت کو یہ لکھ کردیا کہ دوسرے مسلک کے امام کے پیچھے نماز جائز ہے۔

ابوزہرہ نے ''جعفریہ کے نزدیک وصیت'' کے ضمن میں اس کی تجویز پیش کی ہے (۱) اور انہوں نے ذکر کیا ہے کہ مسالک چھوٹی چھوٹی نہروں کی طرح ہیں جن کا بالآخر اسلام کے گہرے سمندر میں جا گرنا لازم ہے۔ یہ بڑی غلطی ہوگی کہ کسی ایک ہی مسلک کو دین سمجھ لیا جائے یا اسے اسلام کا آخری سمندر قرار دے دیا جائے۔ آج پورا کرۂ ارض ایک چھوٹے گاؤں یا ایک بڑے ہوٹل کے مانند ہوگیا ہے۔ اب مسلمانوں کے درمیان اس طرح کی مذہبی عصبیت کے باقی رہنے کا کوئی امکان نہیں ہے۔

اس موقع پر ضرورت ہے کہ ہم دوسروں کی رائے قبول کرنے کی مندرجہ ذیل زندہ مثالوں کو اپنے ذہنوں میں تازہ کرلیں:

اول: نبی ﷺ نے نص قطعی ''لَا یصلین أحد العصر إلاّ فی بنی قریظة''(۲) (کوئی شخص عصر کی نماز نہ پڑھے مگر بنی قریظہ میں) کے سلسلہ میں ہر فریق کے اجتہاد کو درست قرار دیا)۔

دوم: حضرت عمرؓ کے بارے میں مروی ہے کہ ان سے کوئی مسئلہ دریافت کیا گیا تو انہوں نے سوال کرنے والے کو حضرت علیؓ بن ابی طالب کے پاس بھیج دیا، وہ حضرت علی کے پاس سے فتوی لے کر واپس آیا تو حضرت عمرؓ نے اس سے حضرت علیؓ کا جواب پوچھا۔ جب اس نے حضرت علیؓ کا جواب ذکر کیا تو حضرت عمرؓ نے جواب دیا: میرا فتوی اس سے مختلف ہوتا۔ اس آدمی نے کہا: آپ کے لئے اس سے کیا چیز مانع ہے، آپ امیر المؤمنین ہیں؟ حضرت عمرؓ نے جواب دیا: اگر اس مسئلہ میں میرا استدلال کتاب یا سنت سے ہوتا تب تو میں ضرور ایسا کرتا لیکن

۱- دیکھئے: المیراث عند الجعفریہ مع ترجمۃ السید الامام ابوعبداللہ جعفر الصادق علیہ السلام از شیخ محمد ابوزہرہ، طبع طہران ۱۴۱۴ھ/ ۱۹۸۴ء۔

۲- اس حدیث کی روایت ابوداؤد نے کتاب الطہارۃ باب فی المقیم یجد الماء بعد ما صلی فی الوقت ۱/ ۹۲ میں کی ہے حدیث نمبر یہ ہے ۳۳۸۔

میرا استدلال رائے سے ہے اور رائے مشترک ہوتی ہے۔

سوم: بیان کیا جاتا ہے کہ امام ابوحنیفہ سے کسی نے ایک ایسے مسئلہ میں فتوی مانگا جس کے بارے میں کوئی نص نہیں تھی تو انہوں نے اپنی رائے کی بنیاد پر فتوی دے دیا، سوال کرنے والے نے ان سے دریافت کیا کہ کیا آپ جو فتوی دے رہے ہیں وہ ایسا حق ہے کہ اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ غلط ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا: شاید یہ غلط ہو اور جو اس کے علاوہ ہو وہ حق ہو۔ "إن نظن إلّا ظناً وما نحن بمستيقنين" (سورہ جاثیہ: ۳۲) (ہاں ایک خیال سا تو ہم کو بھی ہوتا ہے اور ہم اس پر یقین کرنے والے نہیں)۔ اسی لئے ان کے لائق شاگردوں ابو یوسف، ابن ابی لیلی اور محمد بن الحسن نے ان سے اختلاف کیا، انہوں نے آپس میں بھی اختلاف کیا اور یہ اختلاف عقلوں کے لئے سرمایہ بنا رہا، اس نے بھی دلوں کے لئے وباء کی صورت اختیار نہ کی۔

چہارم: فقہی عرف میں اجتہاد کی یہ تعریف طے شدہ ہے کہ وہ کسی ظنی شرعی حکم کے استنباط کے سلسلہ میں فقیہ کی امکانی کوشش کا نام ہے اور ظن کی صورت میں دوسرے کا یہ حق سلب نہیں ہوتا کہ وہ دوبارہ اجتہاد کرے اور کوئی دوسرا حکم مستنبط کرے(۱)۔

پنجم: بغیر کسی تعصب یا ناگواری کے تمام مسالک سے استنباط کرنا ہمارے مسلم ممالک کی ایک عملی ضرورت ہے۔ اس کی بعض مثالیں مندرجہ ذیل ہیں:

الف - مصر، اردن، شام اور مراکش نے واجب وصیت کا قانون فقہ شیعی جعفری سے اخذ کیا ہے(۲)۔

۱- دیکھئے: اصول الفقہ الاسلامی از ڈاکٹر عبدالمجید مطلوب ۶۷/۵ طبع دوم ۱۴۱۳ھ/۱۹۹۲ء۔

۲- ملاحظہ: قانون الوصیۃ الواجبۃ المصری رقم ۷۱ لسنۃ ۱۹۴۶ء الفصل السادس: الوصیۃ الواجبۃ المواد من ۷۶-۷۹، قانون الاحوال الشخصیۃ السوری رقم: ۵۹ لسنۃ ۱۹۵۳ء والمعدل بالقانون رقم ۳۴ لسنۃ ۱۹۷۵ء الفصل الخامس الوصیۃ الواجبۃ المادۃ ۲۵۷، مدونۃ الاحکام الشخصیۃ المغربیۃ - الجریدۃ الرسمیۃ عدد ۲۳۵۴ بتاریخ ۱/۱۲/۱۹۷۵ء، الوصیۃ الواجبۃ فی المواد من ۲۶۶-۲۶۹، القانون اللیبی رقم ۷ لسنۃ ۱۴۲۳ من وفاۃ الرسول المادۃ ۳۷۔

ب-بیش تر مسلم ممالک نے ابن القیم وغیرہ کی اس رائے کو ترجیح دی ہے کہ ایک مجلس میں دی گئی تین طلاقیں ایک ہی شمار ہوں گی۔ یہ ائمہ اربعہ کی متفقہ رائے سے مختلف ہے (۱)۔

ج-بہت سے ملکوں نے اپنے عوام کی اکثریت کے برعکس جن کا مسلک یہ ہے کہ جارحیت پر مبنی قتل ہی میراث سے مانع ہے، قتل خطا کی بنا پر میراث سے محرومی کے قول کو اختیار کیا ہے، کیونکہ قتل عمد کی خرابی اور اس کو چھپانے کے لئے حیلہ سازی عام ہو چکی ہے (۲)۔

د-تمام فقہی اکیڈمیاں آٹھوں مسالک (حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی، ظاہری، زیدی، جعفری اور اباضی) پر اعتماد کرنے لگی ہیں۔ اب ایسی صورت میں کیا مشرق اور مغرب کے وہ مسلمان جو اقلیت میں ہیں اس رواداری اور کشادہ قلبی سے دور رہیں گے؟ کسی بھی اقلیت میں آپ کو تمام مسالک ملیں گے، اس لئے پوری دنیا میں ہر چیز سے زیادہ ضروری یہ ہے کہ دلیل کے اعتبار سے مضبوط اور صورت حال کے مناسب قول کو اختیار کرنے میں خواہ وہ کسی مسلک کا ہو، رواداری برتی جائے، کبھی کبھی مسلمان کسی بڑی مصلحت کے پیش نظر مرجوح مسلک کو اختیار کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں، اس لئے یورپی کونسل برائے افتاء و تحقیق کے اس فیصلہ پر نکیر نہیں کی جاسکتی کہ مسلمان غیر مسلم کا وارث ہو سکتا ہے۔ کیونکہ اگر یہ ایک طرف ائمہ اربعہ کی اجتماعی رائے کے خلاف ہے تو دوسری طرف معاذ بن جبل، معاویہ بن ابی سفیان، محمد بن الحسن، سعید بن المسیب، مسروق، یحییٰ بن یعمر، اسحاق بن راہویہ، ابن تیمیہ اور ابن القیم کی رائے کے موافق بھی ہے۔ اسی طرح اسلام قبول کرنے والی عورت کے اپنے اس سابق شوہر کے ساتھ رہنے کے مسئلہ میں بھی

۱- اس سلسلہ میں ملاحظہ ہو: الطلاق عند المسلمین۔۔ دراسۃ فقہیۃ قانونیۃ از ڈاکٹر محمد کمال امام ص ۲۲۰ اور اس کے بعد کے صفحات، دار المطبوعات الجامعیۃ، مصر طبع ۱۹۹۷ء نیز دیکھئے: الوجیز فی أحکام الأسرۃ الاسلامیۃ از ڈاکٹر عبد المجید مطلوب مرحوم ۳۱۰، ۳۱۱ دار النہضۃ العربیۃ ۱۴۱۴ھ/ ۱۹۹۳ تا ۱۹۹۴ء مزید ملاحظہ ہو: الاحکام الشرعیۃ للأحوال الشخصیۃ از ڈاکٹر زکی الدین شعبان ۳۸۹ اور اس کے بعد صفحات، شائع کردہ جامعہ قاریونس بنغازی لیبیا، طبع ششم ۱۹۹۳ء۔

۲- دیکھئے: نیل الاوطار از شوکانی ۶/ ۱۹۵۔

جس نے ابھی اسلام قبول نہ کیا ہو، یورپی کونسل کے فتوی کو خلاف شرع قرار نہیں دیا جا سکتا، کیونکہ اس مسئلہ میں اختلاف واقع ہو چکا ہے اور کونسل کے فتوے میں بہت سے شرعی اور دعوتی مصالح کی تکمیل کو پیش نظر رکھا گیا ہے اگر چہ یہ جمہور فقہاء کی عام رائے کے برخلاف ہے۔

نواں ضابطہ:

''فقہ التیسیر'' (آسانی پر مبنی فقہ) کا انتخاب اور تدریج کی رعایت

اسلام کے ایک خصوصیت آسانی ہے۔ اس کے قواعد میں سے حرج کا ازالہ اور ضرر کا سدباب ہے۔ اس کا ایک امتیازی وصف ہمدردی ہے۔ کتاب وسنت کی نصوص سے ثابت ہوتا ہے کہ آسانی پیدا کرنا اور بندوں پر سے بوجھ ہلکا کرنا اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو سب سے زیادہ پسند ہے، اس کے بعض دلائل یہ ہیں:

۱- اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر'' (سورہ بقرہ:۱۸۵) (اللہ تمہارے حق میں سہولت چاہتا ہے اور تمہارے حق میں دشواری نہیں چاہتا)۔

۲- ''یرید اللہ أن یخفف عنکم وخلق الإنسان ضعیفاً'' (سورہ نساء:۲۸) (اللہ کو منظور ہے کہ تمہارے ساتھ تخفیف برتے اور انسان تو کمزور پیدا ہی کیا گیا ہے)۔

۳- ''مایرید اللہ لیجعل علیکم من حرج'' (سورہ مائدہ:۶) (اللہ نہیں چاہتا کہ تمہارے اوپر کوئی تنگی ڈالے)۔

۴- آپ ﷺ کا ارشاد ہے: ''خیر دینکم أیسرہ''(۱) (تمہارے دین کا سب سے بہتر حصہ وہ ہے جو سب سے زیادہ آسان ہو)۔

۱- اس حدیث کی روایت احمد نیز بخاری نے الادب المفرد میں کی ہے۔ طبرانی نے اسے محجن بن ادرع اور عمران بن حصین سے بھی نقل کیا ہے۔ یہ روایت طبرانی کی ''الاوسط'' میں بھی مذکور ہے اس کے علاوہ اسے ابن عدی اور الضیاء نے حضرت انسؓ کے حوالہ سے ذکر کیا ہے (صحیح الجامع الصغیر:۳۳۰)۔ ''أحب الأدیان إلی اللہ الحنیفیۃ السمحۃ'' (اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ دین رواداری پر مبنی دین حنیف ہے)، اسے احمد نیز بخاری نے الادب المفرد میں اور طبرانی نے حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے۔

۵-حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: "ماخیر رسول الله ﷺ بین أمرین إلّا أخذ أیسرهما مالم یکن إثماً، فإذا کان إثماً کان أبعد الناس عنه" (۱) (آپ ﷺ کو جب بھی دوکاموں کے درمیان اختیار دیا جاتا تو آپ ﷺ وہی کام اختیار فرماتے جو آسان ہوتا جب کہ وہ گناہ کا کام نہ ہوتا، اگر وہ گناہ کا کام ہوتا تو آپ ﷺ سب سے زیادہ اس سے دور رہتے)۔

۶-آپ ﷺ کا ارشاد ہے: "إن الله یحب أن تؤتی رخصه، کما یکره أن تؤتی معصیته" (۲) (اللہ تعالیٰ اس بات کو پسند فرماتا ہے کہ اس کی دی ہوئی رخصتوں پر عمل کیا جائے جیسا کہ وہ اس بات کو ناپسند فرماتا ہے کہ اس کی معصیت کا ارتکاب کیا جائے)۔

اصول تیسیر کے دلائل اتنے عام ہیں کہ ابن تیمیہؒ نے کہا ہے: اللہ سے زیادہ کسی کو عذر پسند نہیں ہے، اسی لئے اس نے رسولوں کو بشارت دینے والا اور آگاہ کرنے والا بنا کر مبعوث کیا، کوئی حاکم اپنے ماتحتوں کے معاملہ میں اتنا آسانی پسند نہیں ہوسکتا، نہ ان پر سے ناقابل برداشت تکالیف کو دور کرسکتا ہے جتنا اللہ تعالیٰ۔ جو شخص بھی آسمانی شرائع خصوصاً حضرت محمد ﷺ کی شریعت پر غور کرے گا اس میں اس حقیقت کو سورج سے بھی زیادہ روشن پائے گا (۳)۔

ضروری ہے کہ سہولت اور رحمت کے یہ شرعی اصول اجتہاد پر بالادستی رکھنے والے نقوش اور ٹھوس بنیادوں کی حیثیت سے باقی رہیں خواہ کتنی ہی کثرت سے اس بات کی رٹ لگائی

۱- یہ حدیث صاحب اللؤلؤ والمرجان محمد فؤاد عبدالباقی کے بقول بخاری ومسلم کی ہے باب "مباعدته ﷺ للآثام واختیاره من المباح أسهله والنقامه لله عندانتهاک حرمته"، حدیث نمبر یہ ہے ۱۵۰۲، جلد ۲/ ۲۳۶، المکتبۃ الاسلامیۃ (ترکی)۔

۲- اس حدیث کی روایت احمد، ابن حبان نیز بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت ابن عمرؓ کے حوالہ سے کی ہے۔ (صحیح الجامع الصغیر: ۱۸۸۶)۔

۳- درء تعارض العقل والنقل ۸/ ۴۷۳-۴۷۴، تحقیق محمد رشاد سالم، دارالکنوز الادبیۃ، ریاض/ ۳۹۱۔

جائے کہ یہ لاپروائی ہے، رخصت پسندی ہے اور دین کی گرفت سے بے قید ہونا ہے۔ اس لئے کہ یہی شریعت کا جوہر ہے۔ اس شخص کے واقعہ سے بڑھ کر آسانی کی رعایت کی دلیل کیا ہوگی جس نے رمضان کے مہینہ میں دن کے وقت اپنی بیوی سے تعلق قائم کرلیا تھا(۱)، اسی طرح مسجد میں پیشاب کردینے والے اعرابی کا واقعہ بھی اس کی ایک مثال ہے (۲)۔

ان تمام مثالوں میں رحمت، تیسر اور رفع حرج کے اصول عملی صورتحال سے ہم آہنگ ہوکر اپنا کام کررہے تھے، یہ صرف اتفاقی حالت نہیں تھی بلکہ عمومی صورت حال تھی اور اس میں تیسر اور رفع حرج کے ضابطہ کو ملحوظ رکھا گیا۔ جماع کرنے والے نے تو اپنی بیوی سے رمضان کے مہینہ میں دن کے وقت جماع کرلیا اور وہ دو ماہ روزہ رکھنے یا مسکینوں کو کھانا کھلانے یا ان پر خرچ کرنے پر قادر بھی نہیں تھا مگر آپ ﷺ نے ایک بڑی مقدار میں اسے کھجوریں دیتے ہوئے صرف اتنا فرمایا: ''أطعم أهلك ولا تعد'' (یہ اپنے گھر والوں کو کھلادینا اور دوبارہ ایسا نہ کرنا)۔

غالبًا اسی وجہ سے ہمارے استاذ علامہ شیخ یوسف القرضاوی فقہی تاریخ کے استقراء کی طرف متوجہ ہوئے جیسا کہ انہوں نے ۲۰۰۳ء میں ڈبلن میں منعقد ہونے والے یورپی کونسل برائے فتوی وتحقیق کے اجلاس میں ذکر فرمایا تھا۔ ان کا تجزیہ یہ ہے کہ تیسر، رفع حرج اور تدریج کی سب سے زیادہ رعایت نبی ﷺ کی فقہ میں پائی جاتی ہے، اس کے بعد آپ ﷺ کے صحابہ کی فقہ میں، اس دور کے بعد لوگوں نے آہستہ آہستہ احتیاط کو اختیار کرنا شروع کردیا یہاں تک کہ احتیاط کے نام پر آسانی کے تمام دروازے بند کردیئے گئے۔ درست طریقہ یہ ہے کہ سلف امت اور صدر اول کے نقش قدم پر چلا جائے۔

۱- اس کی روایت بخاری نے کتاب الصوم باب ۳۰، حدیث نمبر ۱۹۳۶، مسلم نے کتاب الصوم باب ۱۴ ج ۲/ ۷۸۱-۷۸۳ اور دارمی نے کتاب الصوم باب ''الذي يقع على امرأته في نهار رمضان'' میں کی ہے۔

۲- اس کی روایت بخاری نے کتاب الوضوء باب صب الماء على البول في المسجد حدیث نمبر ۲۱۳ میں کی ہے۔

شاطبی نے اس عنوان کے تحت کہ وضع شریعت سے شارع کا ایک مقصد بندوں کو شریعت کے تقاضوں کا مکلّف (پابند) بنانا ہے، مشقت سے تخفیف کے ربط پر بحث کر کے بڑی مہارت کا ثبوت دیا ہے۔ انہوں نے ذکر کیا ہے کہ جہاں بے قیدی اور حد سے زیادہ آزادی ہوتی ہے وہاں شارع کی طرف مشقت اور تشدید کا طریقہ اختیار کیا جاتا ہے (جیسے سزاؤں میں) اور جہاں دین میں غلو پایا جاتا ہے وہاں آسانی پر زور دیا جاتا ہے جیسے حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ کے روزہ رکھنے اور رات میں عبادت کرنے اور حضرت سعد کے تمام مال صدقہ کرنے کے معاملہ میں۔ نماز، زکوۃ، روزہ اور جہاد تمام ہی فرائض میں توسط اور اعتدال پایا جاتا ہے۔ ان فرائض میں مشقت مصالح سے مربوط ہے، چنانچہ شارع کی طرف سے نماز فجر کا مکلّف بنانے میں مشقت کم درجہ کی ہے اور جہاد کا مکلّف بنانے میں مشقت بڑے درجہ کی ہے۔ حج کی مشقت ان دونوں درجوں کے درمیان ہے۔ شریعت اعمال پر مرتب ہونے والے مصالح کے دائرہ کو ملحوظ رکھتی ہے اور مشقت کے پائے جانے کے باوجود احکام کا مکلّف بناتی ہے۔ اگر مصالح اس درجہ کے نہ ہوں تو پھر شریعت کا اصل قاعدہ تیسر ہے۔

جہاں تک تدریج کی رعایت کی بات ہے تو یہ ایک شرعی اور عقلی منہج ہے۔ شریعت میں کبائر جیسے زنا، شراب اور سود کی حرمت یکبارگی نازل نہیں ہوئی۔ پانچویں خلیفہ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے زمام خلافت سنبھالنے کے بعد اس نہج کو اختیار فرمایا اور بعض احکام شرع کے نفاذ میں تاخیر کی، جب ان کے بیٹے نے انہیں اس سلسلہ میں عجلت کا مشورہ دیا تو خلیفہ نے اس کا جواب یہ دیا: مجھے اندیشہ ہے کہ اگر میں یکبارگی لوگوں کو حق کی پیروی پر آمادہ کرنے کی کوشش کروں گا تو وہ اسے یک لخت ہی چھوڑ دیں گے اور اس سے فتنہ برپا ہوگا (۱)۔

شاید اس مثال کی روشنی میں ائمہ اور داعی حضرات اصلاح کے عمل میں خاص طور پر

۱- الموافقات ۴/ ۱۶۰-۱۶۱۔

نومسلم اور ایک طویل غیر اسلامی زندگی کے بعد تائب ہونے والے مسلمان کی تربیت میں تدریج کا طریقہ اختیار کرسکیں گے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ اگر ہم سے شریعت کا کوئی حکم دریافت کیا جائے تو ہم شرعاً کسی ثابت شدہ امر کی خلاف ورزی کریں۔ یہاں مقصود صرف اس فرق کو واضح کرنا ہے جو دو ڈاکٹروں کے طریقوں کے درمیان پایا جاتا ہے، ایک ڈاکٹر وہ ہے جو نشہ کے عادی اپنے مریض کو بتاتا ہے کہ منشیات حرام اور تباہ کن ہیں اور دوسرا ڈاکٹر وہ ہے جو بتدریج اپنے مریض کا علاج کرتا ہے یہاں تک وہ نشہ آور اشیاء کا استعمال ترک کردیتا ہے۔

دسواں ضابطہ:

اقلیتوں کی مخصوص صورت حال کے پیش نظر ممنوعات کے شرعی متبادل کے سلسلہ میں اجتہاد

امام یا فقیہ کے ذہن سے یہ نکتہ محو نہیں ہونا چاہئے کہ مسلمانوں کے لئے شرعاً ممنوع اعمال کے متبادل کا پایا جانا ضروری ہے۔ اسی طرح ان کو یہ بات بھی پیش نظر رکھنی چاہئے کہ ان کا کام صرف حرام یا مکروہ ہونے کو بیان کر دینا نہیں ہے۔ اقلیتوں کے تناظر میں اس کی بعض مثالیں یہ ہیں:

اول: اگر شوہر اپنی بیوی کو غیر ضروری تکلیف اور ضرر پہنچائے اور مغرب میں مقیم اس کی اکیلی بیوی اس سے کہے کہ آؤ ہم دونوں اپنے معاملہ میں فیصلہ کے لئے شرعی عدالت سے رجوع کریں اور شوہر اس سے انکار کرے تو فقیہ یا امام کے لئے اس میں کوئی حرج نہیں کہ وہ عورت کو غیر اسلامی عدالت سے رجوع کرنے کا فتوی دے۔

دوم: اگر باپ کثیر العیال ہو اور اسے کوئی قرض حسن دینے والا یا شرعی طریقہ پر مکان کی خریداری میں اس کے ساتھ شریک ہونے والا نہ ملے تو امام کے لئے اس میں کوئی حرج نہیں کہ ایسے شخص کو سودی قرض پر مکان خریدنے کا فتوی دے بشرطیکہ اس شخص کے لئے اس کے سوا کوئی صورت نہ ہو اور خاندان بکھراؤ کی زد میں ہو۔

سوم: اگر ہندوستان کے بعض صوبوں میں مسلمانوں کے اداروں اور گھروں پر جارحیت کا سلسلہ موقوف نہیں ہوتا تو ہندوستان کی فقہ اکیڈمی کے اس فیصلہ میں کہ انشورنس کے ربا اور قمار وغیرہ کے محرمات پر مشتمل ہونے کے باوجود ایسے اداروں اور گھروں کا انشورنس کرانا جائز

ہے،کوئی حرج نہیں ، یہ اس لئے تا کہ مسلمان زندگی کا ساتھ دے سکیں ورنہ وہ انتشار کا شکار ہوجائیں گے۔

یہ محض چند مثالیں ہیں۔اس کا مطلب یہ نہیں کہ ضرورت کی صورت میں جو اپنے دائرہ ہی کے ساتھ محدود ہوتی ہے، واحد متبادل یہی ہے کہ رخصت پر عمل کرلیا جائے یا حرام کا ارتکاب کرلیا جائے۔ میں نے بعض ایسے لوگوں کو جو قابل اعتماد تھے اور مکان خریدنا چاہتے تھے، یہ مشورہ دیا کہ وہ بعض اہل ثروت کے پاس جائیں اور مشترکہ طور پر ایک مکان خرید لیں اور ان کے حصہ کو کرایہ پر لے لیں پھر اس معاملہ میں یہ طے پا جائے کہ خریداری کے دن کے نرخ کے حساب سے ہر ایک کو بالترتیب دوسرے کے حصہ کے خریدنے کا حق حاصل ہوگا۔ الحمدللہ اس میں کامیابی حاصل ہوئی۔ اقلیتیں جب کسی ایک کالونی میں زیادہ تعداد میں ہوجائیں تو حلال طریقہ سے جانور بھی ذبح کرسکتی ہیں لیکن دوسرے مقامات پر اس کا متبادل نہیں ہوتا۔

تیسری فصل:

''فقہ الاقلیات'' سے متعلق اجتہاد کے ضوابط اور ان کی رعایت کی چند عملی مثالیں

اول: غیر مسلم ممالک میں رہائشی مکانات کی خریداری سے متعلق یورپی کونسل کا فتوی

دوم: اونچی ڈگری والے ممالک میں نماز اور روزہ کے اوقات

سوم: عربی کے علاوہ کسی زبان میں جمعہ کا خطبہ

چہارم: غیر مسلم رشتہ داروں کے جنازہ میں شرکت

پنجم: غیر مسلموں کے قبرستان میں مسلمان کی تدفین

ششم: بقربانی کے جانور میں عمر کی شرط

ہفتم: کیٹرینا کے طوفان زدہ امریکیوں کی مالی مدد

تیسری فصل:

''فقہ الاقلیات'' سے متعلق اجتہاد کے ضوابط اور ان کی رعایت کی چند عملی مثالیں

اس موقع پر میں چند ایسے فتاوی کی مثالیں پیش کرنا چاہتا ہوں جن میں ''فقہ الاقلیات'' سے متعلق پیش تر منہجی ضوابط کی تطبیق کی گئی ہے۔ میرا انتخاب ان فتاوی سے ہوگا جو یورپی کونسل برائے فتوی وتحقیق نے یا خود میں نے دیئے ہیں اور جب میں نے ان کو متعدد علماء کی خدمت میں پیش کیا ہے تو انہوں نے مجھ سے اتفاق ظاہر کیا ہے۔ مجموعی طور پر ان تمام فتووں میں ان اہم مسائل کو زیر بحث لایا گیا ہے جو بطور خاص مغرب میں مقیم مسلمانوں سے متعلق ہیں۔

اول:

غیر مسلم ممالک میں رہائشی مکانات کی خریداری سے متعلق یورپی کونسل کا فتوی

پورے مغرب کی سطح پر جو مسئلہ پہلے بھی بہت زیادہ زیر بحث رہا ہے اور اب بھی ہے، وہ یہ کہ کیا سودی قرض پر مکانات کی خریداری جائز ہے یا نہیں؟ تمام فقہی اکیڈمیوں نیز ائمہ اور علماء نے اپنے اسلامی مراکز میں اس مسئلہ پر بحث کی ہے۔ میرا خیال ہے کہ اس موضوع پر سب سے زیادہ غور وفکر یورپی کونسل برائے فتوی وتحقیق نے کی ہے، اس کا فیصلہ یہ ہے:

کونسل کے اجلاس میں اس موضوع پر تیار کئے گئے متعدد تائیدی اور تنقیدی مقالات پڑھے گئے اور تمام ارکان نے اس پر مفصل مباحثہ کیا۔ اس کے بعد کونسل نے اپنے ارکان کی اکثریت کی رائے سے مندرجہ ذیل فیصلے کئے:

۱-کونسل اس بات کی توثیق کرتی ہے کہ سود کی حرمت امت کے درمیان اجماعی ہے نیز یہ ان سات مہلک اور کبیرہ گناہوں میں سے ہے جن کا ارتکاب اللہ اور اس کے رسول سے اعلان جنگ کے مترادف ہے۔ کونسل اسلامی فقہی اکیڈمیوں کے اس فیصلہ کی بھی تائید کرتی ہے کہ بینکوں سے حاصل ہونے والا سود بعینہ حرام ربا ہے۔

۲-کونسل یورپ میں مقیم مسلمانوں سے اپیل کرتی ہے کہ وہ حتی الوسع شک وشبہ سے پاک شرعی متبادل کے انتظام کے لئے جدوجہد کریں، جیسے اسلامی بینکوں کے ذریعہ زیر عمل لائی جارہی ''بیع مرابحہ'' اور اسی طرح اسلامی کمپنیوں کی تشکیل وتاسیس وغیرہ جو آسان شرطوں پر اور عام مسلمانوں کی مالی استطاعت کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس قسم کے مکانات کی تعمیر کرتی ہیں۔

۳-کونسل یورپ میں مقیم مسلمان آبادیوں سے اپیل کرتی ہے کہ وہ یورپ کے روایتی

بینکوں سے اس معاملہ کو شرعی طور پر قابل قبول صورت میں تبدیل کرنے کے لئے مذاکرات کریں جسے قسطوں پر خرید فروخت جس میں موت میں اضافہ کے عوض قیمت میں اضافہ کیا جاتا ہے۔ اس کی وجہ سے ان بینکوں کو ایک بڑی تعداد میں ایسے مسلمان گاہک مل جائیں گے جو اس طریقہ پر ان سے معاملات کرسکیں گے۔ بعض یورپی ممالک میں اس پر عمل بھی ہورہا ہے۔ ہم نے متعدد بڑے بڑے مغربی بینکوں کو دیکھا ہے کہ وہ ہمارے عرب ممالک میں اپنی ایسی شاخیں کھول رہے ہیں جو اسلامی شریعت کے مطابق کاروبار کرتی ہیں جیسا کہ بحرین وغیرہ میں ہے۔

کونسل اس سلسلہ میں یہ مدد کرسکتی ہے کہ وہ ان بینکوں سے یہ اپیل کردے کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ اپنے طریقہ کاروبار میں ترمیم کریں۔

اگر فی الحال ایسا ممکن نہ ہو تو کونسل شرعی دلائل، قواعد اور تصورات کی روشنی میں اس آخری تدبیر کو اختیار کرنے میں کوئی حرج نہیں سمجھتی یعنی یہ کہ ایک مسلمان جو اپنے اور اپنے خاندان کے لئے رہائش کا ضرورت مند ہو، مکان کی خریداری کے لئے سودی قرض لے، بشرطیکہ اس کے پاس کوئی دوسرا ایسا مکان نہ ہو جو اس کی ضرورت پوری کرسکے نیز یہ کہ اس کا بنیادی مکان یہی ہو، اسی طرح اس کے پاس اتنا اضافی مال بھی نہ ہو کہ وہ اس سے مکان خرید سکے اور اس طریقہ کو چھوڑ سکے۔

کونسل نے اپنے اس فتوی میں مندرجہ ذیل دو قواعد کو بنیاد بنایا ہے:

پہلا قاعدہ: ''الضرورات تبیح المحظورات (ضرورتیں ممنوعات کو جائز کردیتی ہیں) یہ ایک متفقہ اور نصوص قرآنی سے ماخوذ قاعدہ ہے۔ قرآن کریم میں پانچ مقامات پر اس کا ذکر آیا ہے، ان ہی میں سے اللہ تعالی کا یہ ارشاد ہے: ﴿وقد فصل لکم ما حرم علیکم إلّا ما اضطررتم إلیه﴾ (سورہ انعام:۱۱۹) (حالاں کہ جن چیزوں کا استعمال حالت اضطرار کے سوا دوسری تمام حالتوں میں اللہ نے حرام کردیا ہے ان کی تفصیل وہ تمہیں بتا چکا ہے)، اسی طرح اسی سورہ میں اللہ تعالی نے حرام کھانوں کا ذکر کرنے کے بعد ارشاد فرمایا: ﴿فمن

اضطر غير باغ ولا عاد فلا إثم عليه إن الله غفور رحيم﴾ (سورہ انعام: ۱۴۵) (پھر جو شخص مجبوری کی حالت میں (ان میں سے کوئی چیز کھالے) بغیر اس کے کہ وہ نافرمانی کا ارادہ رکھتا ہو اور بغیر اس کے کہ وہ حد ضرورت سے تجاوز کرے تو یقیناً تمہارا رب درگذر سے کام لینے والا ہے)۔ اسی اصول کے ضمن میں فقہاء کا ذکر کردہ یہ قاعدہ بھی آتا ہے کہ کبھی کبھی حاجت خواہ وہ عام ہو یا خاص، ضرورت کے درجہ میں ہو جاتی ہے۔ "الحاجة قد تنزل منزلة الضرورة"۔

"حاجت" سے مراد وہ ضرورت ہے جو اگر پوری نہ ہو تو ایک مسلمان حرج میں مبتلا ہو جائے اگر چہ اس کے بغیر بھی زندہ رہ سکتا ہو۔ اس کے برعکس "ضرورت" وہ ہے جس کے بغیر انسان زندہ نہ رہ سکے۔ قرآن کریم کی نصوص سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالی نے اس امت سے حرج کو دور کیا ہے۔ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ﴿وما جعل عليكم في الدين من حرج﴾ (سورہ حج: ۷۸) (اس نے دین میں تم پر کوئی تنگی نہیں رکھی)، اسی طرح ارشاد باری ہے: ﴿ما يريد الله ليجعل عليكم من حرج﴾ (سورہ مائدہ: ۶) (اللہ تم پر زندگی کو تنگ نہیں کرنا چاہتا)۔ ایک مسلمان سے حرج کو دفع کرنے والی رہائش وہی ہو سکتی ہے جو اپنے محل وقوع، کشادگی اور سہولیات کے اعتبار سے صحیح معنی میں رہائش ہو۔

اس فتوی میں کونسل نے اگر ایک طرف مذکورہ دونوں قواعد کو بنیاد بنایا ہے تو دوسری طرف اس نے اس قاعدہ کو بھی نظر انداز نہیں کیا ہے جو مذکورہ دونوں قواعد کو مکمل اور منضبط کرنے والا ہے یعنی "ما أبيع للضرورة يقدر بقدرها" (جو چیز ضرورت کی وجہ سے جائز ہوتی ہے وہ ضرورت کے بقدر ہی ہوتی ہے)۔ لہذا تجارت اور دیگر اغراض سے ایسے مکانات کا حصول جائز نہیں ہوگا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ مکان ایک مسلمان شخص اور ایک مسلمان خاندان کی ضرورت ہے۔ نبی ﷺ نے کشادہ مکان کو خوش حالی کے تین یا چار اسباب میں سے ایک سبب قرار

دیا ہے۔کرایہ کا مکان ایک مسلمان کی نہ ہر ضرورت پوری کرتا ہے اور نہ اسے یہ تحفظ کا احساس ہی دلاتا ہے۔ اس کے برعکس ہوتا یہ ہے کہ ایک مسلمان ایک غیر مسلم کو سالہا سال تک زیادہ سے زیادہ کرایہ ادا کرتا رہتا ہے، اور اس کے مکان کی ایک اینٹ کا بھی مالک نہیں ہو پاتا۔ یہ تمام مشقتیں اٹھانے کے باوجود اسے یہ خطرہ لاحق ہوتا ہے کہ اگر اس کے اہل وعیال زیادہ ہو گئے یا اس کے مہمانوں کی تعداد بڑھ گئی تو وہ اس گھر سے نکال دیا جا سکتا ہے، اسی طرح اسے یہ اندیشہ رہتا ہے کہ اگر اس کی عمر زیادہ ہو جائے گی یا اس کی آمدنی کم ہو جائے گی یا رک جائے گی تو اسے اٹھا کر راستہ میں پھینک دیا جا سکتا ہے۔

اگر ایک مسلمان مکان کا مالک ہو جائے تو ان تمام تکالیف سے نجات پا سکتا ہے۔ اس صورت میں وہ مسجد، اسلامی مرکز اور اسلامی اسکول سے قریب رہائش کا انتخاب کر سکتا ہے۔ اس سے مسلمان آبادی کو اس کا موقع بھی مل سکتا ہے کہ وہ اپنے مکانات قریب قریب بنائے تا کہ ایک بڑے معاشرہ کے اندر ایک چھوٹا اسلامی معاشرہ وجود میں آ سکے، مسلمانوں کے بچے آپس میں متعارف ہو سکیں، ان کے روابط مضبوط ہو سکیں اور اسلام کی اعلیٰ اقدار اور اس کے اعلیٰ تصورات کے زیر سایہ زندگی بسر کرنے میں وہ ایک دوسرے کی مدد کر سکیں۔

مکان کا مالک ہونے کی صورت میں ایک مسلمان اپنی دینی اور سماجی ضرورت کے مطابق اپنے مکان کی ترتیب و تنظیم پر قادر ہوتا ہے۔

یہ تو ہر مسلمان کی انفرادی ضرورت ہے۔ اس کے علاوہ ایک عمومی ضرورت ان مسلمانوں کی ہے جو ''دار الاسلام'' سے باہر اقلیت کی صورت میں رہ رہے ہیں۔ یہ ضرورت اس طرح پوری کی جا سکتی ہے کہ ان کے معاشی حالات بہتر کئے جائیں تا کہ ان کا معیار زندگی بلند ہو سکے، وہ لوگوں کی بھلائی کے لئے برپا کی گئی خیر امت کی طرف انتساب کے اہل ہو سکیں اور غیر مسلموں کے سامنے اسلام کا بہتر نمونہ بن سکیں۔ اس ضرورت کی تکمیل کی ایک صورت یہ ہے

کہ وہ اقتصادی دباؤ سے آزاد ہوں تا کہ وہ دعوت کا فریضہ ادا کرسکیں اور سماج کی عمومی تعمیر میں حصہ لے سکیں۔ اس فرض کا تقاضا ہے کہ ایک مسلمان کی پوری عمر اپنے گھر کا کرایہ اور اپنی زندگی کے اخراجات ہی ادا کرنے میں نہ گذر جائے اور اسے اپنے سماج کی خدمت اور اپنی دعوت کی اشاعت کا موقع ہی نہ مل سکے۔

دوسرا قاعدہ: یہ پہلے والے اساسی قاعدہ کی تکمیل کرتا ہے، یعنی یہ کہ دارالاسلام سے باہر مسلمان اور غیر مسلم کے درمیان سودی کاروبار اور دیگر فاسد عقود جائز ہیں۔ یہ وہ رائے ہے جسے امام ابوحنیفہ اور ان کے شاگرد محمد بن الحسن الشیبانی نے اختیار کیا ہے اور یہی مسلک حنفی میں مفتی بہ قول ہے۔ سفیان ثوری اور ابراہیم نخعی نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے، امام احمد سے بھی ایک روایت یہی ہے اور بعض حنابلہ کے بیان کے مطابق ابن تیمیہ نے بھی اسی کو ترجیح دی ہے۔

اس رائے کی ترجیح کی متعدد وجوہ ہیں، ان میں سے بعض یہ ہیں:

۱- ایک مسلمان غیر مسلم معاشرہ میں شریعت کے شہری، مالی، سیاسی اور ان جیسے دیگر احکام جو مملکت کے عمومی نظام سے تعلق رکھتے ہیں، کے نفاذ کا شرعاً مکلف نہیں ہے، کیونکہ یہ اس کی قدرت سے باہر ہے، اور اللہ تعالیٰ کسی کو بھی اس کی طاقت سے زیادہ کا مکلف نہیں بناتا ہے۔ ربا (سود) کی حرمت بھی ان ہی احکام کے قبیل سے ہے جو معاشرہ کے شخصی، حکومت کے فلسفہ اور اس کے سماجی اور اقتصادی رجحان سے متعلق ہیں۔

ایک مسلمان فرد سے شریعت کا مطالبہ یہ ہے کہ وہ ان احکام پر عمل کرے جو انفرادی حیثیت میں اس سے متعلق ہیں جیسے عبادات، کھانے، پینے، پہننے، نکاح، طلاق، رجعت، عدت اور میراث وغیرہ کے احکام جن کی حیثیت شخصی قوانین کی ہے۔ اگر وہ ان احکام کی بجا آوری میں بھی آزاد نہ ہو اور کسی بھی حال میں وہاں اپنے دین کو قائم نہ کرسکتا ہو تو اس پر واجب ہے کہ اس جگہ سے ہجرت کر کے اللہ کی وسیع زمین میں چلا جائے بشرطیکہ وہ اس پر قادر بھی ہو۔

۲-اگر ایک مسلمان ان جیسے ممالک میں فاسد عقود بشمول ربا اختیار نہیں کرے گا تو اس صورت میں اسلام پر اس کا قائم رہنا اس کے لئے اقتصادی کمزوری اور مالی خسارہ کا باعث بن جائے گا جب کہ ثابت شدہ امر یہ ہے کہ اسلام مسلمان کو قوت بخشتا ہے نہ کہ اسے کمزور کرتا ہے، اسے بڑھاتا ہے نہ کہ کم کرتا ہے، اسے نفع پہنچاتا ہے نہ کہ نقصان میں مبتلا کرتا ہے۔ بعض علماء سلف نے غیر مسلم کے مال سے مسلمان کے وراثت پانے کے جواز پر ابو داؤد کی اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ حضرت معاذؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: ''الإسلام يزيد ولا ينقص''(اسلام اضافہ کرتا نہ کہ کمی)۔ ان علماء کے مطابق اس حدیث کی روشنی میں مسلمان وارث ہوگا یعنی اس کے مال میں اضافہ ہوگا، کمی نہ ہوگی، اسی طرح حدیث ہے: ''الإسلام يعلو ولا يعلى عليه''(اسلام غالب رہتا ہے، وہ مغلوب نہیں ہوتا)۔ اگر وہ ان معاملات کو نہیں اختیار کرے گا جن کو وہاں کے باشندے باہمی رضامندی سے اختیار کرتے ہیں تو وہ ان مطالبات کی ادائیگی پر تو مجبور ہوگا جو اس سے کئے جائیں گے مگر اس کے عوض میں کچھ نہ لے سکے گا، لہذا وہ اپنے اوپر عائد ہونے والی ذمہ داریوں کے حوالہ سے تو ان قوانین اور عقود پر عمل کرنے والا ہوگا مگر وہ اپنے منافع سے متعلق معاملات میں ان پر عمل نہ کر سکے گا۔ لہذا اس پر ذمہ داریاں تو ہمیشہ عائد رہیں گی مگر وہ منافع سے ہمیشہ محروم رہے گا۔ اس طرح مسلمان اسلام پر عمل کرنے کی وجہ سے مالی طور پر ہمیشہ محروم رہے گا، حالانکہ اسلام کا یہ مقصد ہرگز نہیں کہ وہ اپنے ماننے والے پر ظلم کرے اور اسے غیر مسلم ملک میں اس بات کے لئے چھوڑ دے کہ غیر مسلم اس کا خون چوستا رہے اور اس سے فائدہ اٹھاتا رہے جبکہ اس کے بالمقابل مسلمان پر یہ حرام ہو کہ وہ غیر مسلموں کے درمیان رائج اور تسلیم شدہ معاملات کی روشنی میں ان سے معاملہ کر کے فائدہ اٹھائے۔

یہاں ایک اعتراض یہ ہوگا کہ حنفیہ کے مسلک کی رو سے سودی کاروبار اس وقت جائز

ہے جب صورت لینے کی ہو نہ کہ دینے کی، کیونکہ دینے میں مسلمان کا کوئی فائدہ نہیں، اسی طرح یہ اعتراض بھی کیا جاسکتا ہے کہ حنفیہ کے نزدیک فاسد عقود اختیار کرنے کی اجازت دو شرطوں کے ساتھ مشروط ہے: پہلی شرط یہ ہے کہ ان کے اختیار کرنے سے مسلمان کو فائدہ پہنچے اور دوسری شرط یہ ہے کہ ان کو اختیار کرنے میں غیر مسلم کے ساتھ دھوکہ اور خیانت نہ ہو۔ اس صورت میں مسلمان کو کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ یہ قابل قبول نہیں جیسا کہ ''السیر الکبیر'' میں امام محمد بن الحسن الشیبانی کے قول اور مسلک کے علماء متقدمین کے اطلاق سے ظاہر ہوتا ہے۔ اسی طرح یہ امر بھی واضح ہے کہ اگر مسلمان اس صورت میں سود ادا کر رہا ہے تو وہ فائدہ بھی اٹھا رہا ہے، کیونکہ وہ اس سود کے ذریعہ آخر میں اس مکان کا مالک بھی ہوجاتا ہے۔

ان ممالک میں رہنے والے مسلمانوں نے براہ راست بھی اور بذریعہ خط وکتابت بھی یہ واضح کیا ہے کہ جو قسطیں وہ بینک کو ادا کرتے ہیں وہ اس کرایہ کے برابر ہوتی ہیں جو وہ مالک کو ادا کرتے ہیں بلکہ کبھی کبھی اس سے کم ہوتی ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر ہم اس صورت میں بینک سے سودی معاملہ کرنے کو حرام قرار دیں گے تو ایک مسلمان کو مکان سے محروم کردیں گے جو اس کی اور اس کے گھر والوں کی ایک ضرورت ہے۔ یہ فقہاء کی اصطلاح کے مطابق انسان کی ''حاجات اصلیہ'' میں سے ایک ہے۔ کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ وہ بیس سال یا اس سے بھی زائد مدت تک ماہانہ یا سالانہ کرایہ ادا کرتا رہتا ہے اور ایک چیز کا بھی مالک نہیں ہو پاتا جب کہ ان بیس سالوں میں بلکہ اس سے بھی کم میں وہ گھر کا مالک ہوسکتا تھا۔

اگر یہ معاملہ امام ابوحنیفہ اور ان کے مؤیدین کے مسلک کے مطابق جائز نہ بھی ہو تو بھی یہ تمام ائمہ کے نزدیک اس وجہ سے جائز ہوجائے گا کہ کبھی کبھی ممنوعات کے جواز میں حاجت ضرورت کے درجہ میں ہوجاتی ہے، خاص طور پر اس صورت میں جہاں مسلمان سود کھلا رہا ہے نہ

کہ کھا رہا ہے، یعنی وہ سود ادا کر رہا ہے، وہ لے نہیں رہا ہے، سود کی حرمت میں اصل پہلو جس پر زور دیا گیا ہے وہ ''اکل ربا'' (سود کھانا ہے) جیسا کہ قرآنی آیات سے واضح ہے، سود کھلانے کو تو "سداً للذریعہ" حرام قرار دیا گیا ہے جیسا کہ سود کی دستاویز تحریر کرنا اور اس کی گواہی دینا، کیونکہ یہ وسائل کو حرام قرار دینے کے باب سے ہے نہ کہ مقاصد کو حرام قرار دینے کے باب سے۔

یہ طے شدہ امر ہے کہ حرام ربا کا کھانا کسی بھی حال میں جائز نہیں، جہاں تک اس کے کھلانے یعنی سود ادا کرنے کا تعلق ہے تو یہ ضرورت کے درجہ میں جائز ہے، فقہاء نے اس کی صراحت کی ہے اور اگر حلال کے دروازے بند ہو جائیں تو ضرورت کی بنیاد پر سودی قرض لینے کو جائز قرار دیا ہے۔ اس ضمن میں مشہور قاعدہ یہ ہے: ''ماحرم لذاته لا یباح إلا للضرورة، وما حرم لسد الذریعة یباح للحاجة'' (جو چیز فی نفسہ حرام ہو وہ ضرورتاً ہی جائز ہو سکتی ہے اور جو چیز ''سد ذریعہ'' کے طور پر حرام ہو وہ حاجت کے پیش نظر جائز ہو سکتی ہے)۔

اس فتوی میں مندرجہ ذیل پہلوؤں کی رعایت ملحوظ رکھی گئی ہے:

۱- اس فتوی میں ''نص اور عملی صورت حال دونوں کے فہم'' کو جمع کرتے ہوئے علماء شریعت کے ساتھ ساتھ علماء اقتصادیات اور بینک کے ماہرین کی ایک بڑی تعداد کو بھی شریک کیا گیا ہے اور ان کو اپنی تحقیقات پیش کرنے کا موقع دیا گیا ہے۔

۲- اس میں موضوع پر بحث ومناقشہ کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کیا گیا ہے، یہی وجہ ہے کہ اس فتوی نے ایک عمومی مسئلہ میں اجتماعی اجتہاد کی حیثیت اختیار کر لی ہے جس کی طرف ہم نے پہلے اشارہ کیا۔

۳- امریکہ اور ہندوستان کی فقہی اکیڈمیوں کے سامنے بھی یہ مسئلہ پیش کیا گیا اور انہوں نے بھی یہی موقف اختیار کیا۔

۴- اس سلسلہ میں تمام فیصلے کثرت رائے سے ہوئے نہ کہ کامل اتفاق سے۔

۵- تمام تحقیقی مقالات اور مباحثوں میں یہ تسلیم کیا گیا کہ قرض کے عوض مکان خریدنا ربا ہے، اس کے بعد ''قاعدہ ضرورت'' کو پیش نظر رکھتے ہوئے مسئلہ کے حل کی کوشش کی گئی، اس کے علاوہ امام ابوحنیفہ کے اس مسلک کو بھی مدنظر رکھا گیا کہ غیر مسلم ممالک میں سودی معاملہ کرنا جائز ہے بشرطیکہ صورت لینے کی ہو نہ کہ دینے کی۔ رابطہ علماء شریعت امریکہ نے نومبر ۱۹۹۹ء کے اپنے فیصلہ میں صرف پہلے قاعدہ یعنی ضرورت کو اساس بنایا ہے، امام ابوحنیفہ النعمان کے مسلک کو پیش نظر نہیں رکھا ہے۔ یہی قرین صواب ہے۔

۶- میں اس فتوی سے اختلاف کرنے والوں میں تھا، لیکن جب مجھ سے سوال کیا گیا تو میں نے علماء کرام کا نیز اس درست منہج کا احترام کرتے ہوئے جس کو مدنظر رکھ کر اس مسئلہ کو حل کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور اس میں ایک رائے پر اصرار نہیں کیا گیا ہے، دونوں آراء کو نقل کر دیا۔

دوم:

اونچی ڈگری والے ممالک میں نماز اور روزہ کے اوقات

یہ مسئلہ قطب شمالی سے قریب کے ممالک کے ساتھ خاص ہے۔ یہ ربا کے مسئلہ کی طرح عام نہیں ہے اگرچہ ایک بڑی تعداد ان ملکوں میں ہے جہاں سے یہ متعلق ہے، جیسے فرانس، اسکینڈی نیویائی ممالک، شمالی کینیڈا۔

کونسل کے ارکان نے اس موضوع پر بحث کی بعض ارکان کی طرف سے پیش کئے گئے موضوع کے فلکیاتی اور شرعی گوشوں سے متعلق مقالات نیز فنی پہلوؤں کی توضیح وتشریح سے متعلق تجاویز اور کونسل کے گیارہویں سمینار میں پیش کی گئیں سفارشات پر غور وخوض کرنے کے بعد مندرجہ ذیل فیصلے کئے:

اول: رابطہ عالم اسلامی کے تحت قائم اسلامی فقہ اکیڈمی کے چھٹے فیصلہ کی توثیق کی جاتی ہے جو اونچی ڈگری والے ممالک میں نماز اور روزہ کے اوقات سے متعلق ہے اور جس کی عبارت یہ ہے:

الحمد لله وحده والصلاة والسلام على من لا نبي بعده، سيدنا ونبينا محمد ﷺ **أما بعد:**

اسلامی فقہ اکیڈمی کے اجلاس منعقدہ دفتر رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ بروز سنیچر مورخہ ۱۲/رجب ۱۴۰۶ھ تا روز سنیچر مورخہ ۱۹/رجب ۱۴۰۶ھ میں اونچی ڈگری والے ممالک کے باشندوں کے لئے نماز اور روزہ کے اوقات کے موضوع پر غور کیا گیا۔

اجلاس نے شریعت کی روح کو ملحوظ رکھتے ہوئے جو آسانی اور دفع حرج پر مبنی ہے نیز

ماہرین فلکیات کی کمیٹی کی طرف سے پیش کردہ معلومات کی روشنی میں اس موضوع پر مندرجہ ذیل فیصلہ کیا:

اول: حساب کے متعدد طریقوں کی وجہ سے پیدا ہونے والی الجھنوں کو دور کرنے کی خاطر ہر نماز کے اوقات کے لئے ان فلکی علامات کی تحدید کردی جائے گی جو شریعت کے اشارات اور افق کے اوپر یا اس کے نیچے سورج کے مقام سے متصل فلکی حسابات میں ان علامتوں کے بدلنے کے متعلق توقیت شرعی کے ماہرین کی توضیحات سے ہم آہنگ ہوں۔ یہ توضیحات درج ذیل ہیں:

۱-فجر: اس کا آغاز سفید روشنی کی پہلی لکیر کے نمودار ہونے اور چوڑائی میں افق پر پھیلنے سے ہوتا ہے۔ یہ فجر صادق ہے۔ اس وقت زاویہ مشرقی افق کے نیچے ۱۸ ڈگری پر ہوتا ہے۔

۲-طلوع آفتاب: اس کا وقت مشرقی افق کے نیچے سے سورج کی ٹکیہ کا اوپری حصہ کے ظہور کی ابتدا سے شروع ہوتا ہے اور زاویہ کا اندازہ افق کے نیچے ۵۰ ڈگری زاویہ کیا جاتا ہے۔

۳-ظہر: اس کا وقت سورج کے دائرہ زوال کو عبور کرنے سے شروع ہوتا ہے، اس وقت سورج دن کی سب سے زیادہ بلندی پر ہوتا ہے اور سر والے اجسام کا سایہ گھٹتے گھٹتے بہت چھوٹا ہو جاتا ہے۔

۴-عصر: اس کا وقت اس وقت شروع ہوتا ہے جب سورج ایسی جگہ پہنچ جائے کہ ہر چیز کا سایہ اس کے طول کے برابر ہو جائے، اس سایہ کے علاوہ جو زوال کے وقت تھا، اس مقام کا زاویہ زمان ومکان کے فرق سے بدلتا رہتا ہے۔

۵-مغرب: اس کا وقت مغربی افق کے نیچے سورج کی ٹکیہ کے مکمل طور پر چھپ جانے سے شروع ہوتا ہے۔ اس کا زاویہ افق کے نیچے ۵۰ ڈگری زاویہ پر ہوتا ہے۔

۶-عشاء: اس کا وقت شفق احمر کے غائب ہونے سے شروع ہوتا ہے جس وقت سورج مغربی افق کے نیچے ۱۷ ڈگری پر ہوتا ہے۔

دوم: اوقات کی تعیین کے ساتھ ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کے اوقات میں دو منٹ بڑھانے اور فجر اور طلوع آفتاب کے وقت میں دو منٹ گھٹانے پر اکتفا کیا جائے گا۔

سوم: اونچی ڈگری والے علاقوں کی تین قسمیں ہیں:

منطقہ اولی: یہ وہ علاقہ ہے جو شمال وجنوب میں ۴۵ اور ۴۸ ڈگری عرض البلد کے درمیان پڑتا ہے۔ اس علاقہ میں دن خواہ چھوٹا ہو یا بڑا ۲۴ گھنٹے میں اوقات کی ظاہری علامتیں ممتاز ہوجاتی ہیں۔

منطقہ ثانیہ: یہ شمال وجنوب میں ۴۸ ڈگری اور ۶۶ ڈگری عرض البلد کے درمیان واقع ہے۔ اس علاقہ میں سال کے بعض دنوں میں اوقات کی بعض فلکیاتی علامتیں معدوم ہوجاتی ہیں مثلاً وہ شفق غائب نہیں ہوتا ہے جس سے عشاء کا وقت شروع ہوتا ہے اور مغرب کا آخری وقت دراز ہوکر فجر میں داخل ہوجاتا ہے۔

منطقہ ثالثہ: یہ شمال وجنوب میں قطبین کی طرف ۶۶ ڈگری عرض البلد پر واقع ہے اور اس میں سال کے بڑے حصہ میں دن یا رات میں اوقات کی ظاہری علامتیں معدوم ہوجاتی ہیں۔

چہارم: منطقہ اولی کا حکم یہ ہے کہ وہاں رہنے والے نمازیں ان کے شرعی اوقات میں ادا کریں گے، شرعی وقت پر روزہ رکھیں گے، یعنی فجر صادق کے ظاہر ہونے سے غروب آفتاب تک جیسا کہ شرعی نصوص میں ہے۔ اگر کوئی شخص کسی دن کا روزہ نہ رکھ سکے یا طول وقت کے باعث دن کا روزہ مکمل نہ کر سکے تو دوسرے مناسب دنوں میں قضا کرے گا۔

پنجم: منطقہ ثانیہ کا حکم یہ ہے کہ فجر اور عشاء کی نمازوں کا وقت اس سے قریب تر جگہ جہاں دونوں نمازوں کے اوقات نمایاں ہوں، وہاں کی رات پر قیاس کر کے متعین کیا جائے۔

اکیڈمی کی رائے میں ۴۵ڈگری عرض البلد کا علاقہ اس سلسلہ میں قریب ترین جگہ ہوگی جہاں عبادت اور اوقات میں امتیاز آسان ہوجاتا ہے، لہذا ۴۵ڈگری عرض البلد میں اگر عشاء کا وقت مثال کے طور پر ایک تہائی رات کے بعد شروع ہوتا ہے تو اسی وقت میں وہاں بھی عشاء کا وقت سمجھا جائے جہاں تعیین اوقات مطلوب ہے، یہی بات فجر کے بارے میں بھی ہے۔

ششم: منطقہ ثالثہ کا حکم یہ ہے کہ اس میں تمام نمازوں کے اوقات ۴۵ڈگری عرض البلد والے علاقہ کی نمازوں کے اوقات پر قیاس کر کے متعین کئے جائیں گے، اس طرح کہ قطبین کی جانب ۶۶ڈگری کے منطقہ میں ۲۴گھنٹوں کی تقسیم اس طرح کی جائے گی جس طرح ۴۵ڈگری عرض البلد کے علاقہ میں موجود اوقات کی تقسیم کی جاتی ہے جو آٹھ گھنٹے کے برابر ہوگا، لہذا اگر سورج آٹھ بجے ڈوبے گا اور عشاء کا وقت ۱۱بجے ہوگا تو اسی حساب سے اس جگہ میں بھی تعیین اوقات ہوگی، جہاں مطلوب ہے اور اگر ۶۶ڈگری عرض البلد والے علاقہ میں فجر کا وقت صبح کے دو بجے ہوگا تو اس مطلوبہ جگہ میں بھی فجر کا وقت اسی طرح مانا جائے گا اور روزہ بھی اسی وقت سے شروع ہوکر مقررہ وقت مغرب تک رکھا جائے گا۔

اس کا ماخذ حدیث دجال ہے جس میں وارد ہوا ہے: "قلنا یارسول اللہ! وما لبثه فی الأرض؟ قال: أربعون یوماً، یوم کسنة، ویوم کشهر، ویوم کجمعة، وسائر أیامه کأیامکم، قلنا: یا رسول اللہ! فذلک الیوم الذی کسنة أتکفینا فیه صلاة یوم ولیلة؟ قال: لا، اقدروا له قدره" (۱) (ہم نے دریافت کیا: اے اللہ کے رسول! دجال زمین میں کتنے دن تک ٹھہرے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ۴۰ دن تک، ایک دن ایک سال کے برابر، ایک دن ایک مہینہ کے برابر، اور ایک دن ایک ہفتہ کے برابر ہوگا، یہاں تک کہ راوی کہتے ہیں کہ ہم نے دریافت کیا: اے اللہ کے رسول! جو دن ایک سال کے برابر ہوگا کیا اس میں صرف

۱- اس حدیث کی روایت مسلم اور ابوداؤد نے کی ہے یہ الفاظ ابوداؤد کی کتاب الملاحم کے ہیں۔

ایک دن اور ایک رات کی نمازیں پڑھی جائیں گی، آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں، تم اس دن کا اندازہ سے حساب لگاؤ گے)۔

واللہ ولی التوفیق، والصلاۃ والسلام علی سیدنا محمد وعلی آلہ وصحبہ أجمعین۔

(اکیڈمی کا فیصلہ مکمل ہوا)۔

دوم: چونکہ یہ مسئلہ اجتہادی ہے اور اس سلسلہ میں قطعی نصوص وارد نہیں ہیں اس لئے کونسل اس بارے میں دیگر اسلامی اداروں سے جاری کئے گئے فتاوے اور اندازوں پر اعتماد کرنے میں کوئی حرج نہیں سمجھتی جیسے سورج کے ۱۲ ڈگری نیچے آنے پر اعتماد جو فجر اور عشاء کی نمازوں کے اوقات کے موافق ہوتا ہے، اسی طرح مغرب اور عشاء اور فجر اور طلوع آفتاب کے اوقات کے درمیان ڈیڑھ گھنٹوں کے فرق کی تعیین۔

کونسل مساجد اور اسلامی مراکز کے ذمہ دار اداروں اور منتظمین سے اپیل کرتی ہے کہ وہ کونسل کے بیان کردہ طریقہ پر عمل کریں جو مکہ مکرمہ کی اسلامی فقہ اکیڈمی کے مذکور الصدر فیصلوں سے ہم آہنگ ہے۔

سوم: کونسل دفع حرج اور مغربی ممالک میں مقیم مسلمانوں کی آسانی کی خاطر اپنے اس سابق فیصلہ (۳/۳) کی توثیق کرتی ہے جو عشاء کی علامت کے گم ہوجانے یا اس کے وقت کے مؤخر ہوجانے کی صورت میں نماز مغرب اور عشاء کو جمع کرنے سے متعلق ہے۔ واللہ أعلم۔

اس فتوی میں مندرجہ ذیل امور پیش نظر رکھے گئے ہیں:

۱- اس مسئلہ کا حقیقی تعلق ان شمالی علاقوں میں رہنے والے مسلمانوں سے ہے، لہذا یہ خاص طور پر یورپ میں مقیم مسلمان اقلیتوں سے متعلق ہے۔

۲- کونسل نے متعدد ماہرین فلکیات کو اپنے سمینار میں شرکت کی دعوت دی اور علماء

شریعت سے ان کی گفتگو ہوئی، لہذا اس میں شرعی اور علمی دونوں نقاط نظر کا امتزاج پایا جاتا ہے۔

۳- یہ موضوع متعدد سمیناروں میں زیر بحث لایا جاتا رہا یہاں تک کہ ارکان کونسل نے اس سلسلہ میں یہ حتمی فیصلہ کیا۔

۴- اس فتوی میں کونسل نے دیگر فقہی اکیڈمیوں کے فیصلہ کی پابندی کی اور بعض ممالک میں علامت کے مفقود ہوجانے کی صورت میں مغرب اور عشاء کی نمازیں ایک ساتھ ادا کرنے کے متعلق جواز کا فتوی دیتے ہوئے بھی، مختلف قسم کے فروق کو مدنظر رکھا۔

۵- کونسل نے تمام فقہی مسالک کے احترام کے اصول سے استفادہ کیا اور اس نقطہ نظر کو اختیار کیا جس میں لوگوں کے لئے آسانی تھی۔

سوم:

عربی کے علاوہ کسی زبان میں جمعہ کا خطبہ

سوال: ہمارے ہاں برطانیہ کی ایک مسجد میں نماز جمعہ ادا کرنے والوں میں ایسے لوگ بھی ہیں جو عربی سمجھتے ہیں اور ایسے لوگ بھی ہیں جو عربی نہیں سمجھتے، البتہ سب کے سب یا ان میں سے اکثر اہل ملک کی زبان سمجھتے ہیں تو کیا ایسی صورت میں ہمارے لئے یہ جائز ہے کہ ہم جمعہ کا خطبہ سامعین کی زبان میں دیں اگرچہ وہ عربی کے علاوہ ہو؟

جواب: خطبہ کا مقصد چونکہ تعلیم اور رہنمائی ہے، لہذا اصل یہی ہے کہ عوام سے خطاب میں ان کی زبان کی رعایت کی جائے۔ قرآن کریم نے رسول کے فرائض کی وضاحت کرتے ہوئے اس مفہوم کی طرف رہنمائی کی ہے، چنانچہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ''وقال الذين أشركوا لو شاء الله ما عبدنا من دونه من شيئ نحن ولآ آباؤنا ولآ حرمنا من دونه من شيئ كذلك فعل الذين من قبلهم فهل على الرسل إلآ البلاغ المبين'' (سورہ نحل: ۳۵) (اور شرک کرنے والے کہتے ہیں کہ اگر اللہ چاہتا تو ہم اس کے سوا کسی کی بھی پرستش نہ کرتے (نہ) ہم اور نہ ہمارے باپ دادا اور نہ ہم اس کے بدوں حکم کسی چیز کو حرام کر سکتے، ایسی ہی (حرکت) وہ لوگ بھی کر چکے ہیں جو ان کے قبل ہوئے ہیں، سو پیمبروں کے ذمہ تو صرف صاف صاف پہنچا دینا ہے)، پیغام اس وقت تک واضح نہیں ہوگا جب تک کہ اس زبان میں نہ ہو جن کو سامعین سمجھ سکیں۔

جمعہ کے خطبہ میں اصل یہ ہے کہ اگر اس کے سامعین میں سے اکثر عربی زبان سمجھنے والے ہوں تو وہ عربی زبان میں دیا جائے، کیونکہ خطبہ میں قرآن کی آیت اور نبی ﷺ کی حدیث

سے استدلال کی ضرورت پیش آتی ہے، اسی طرح اس میں اللہ تعالی کا ذکر ہوتا ہے۔ ان تمام مقاصد کے حصول کے لئے عربی زبان زیادہ مؤثر ہے، اس کے بعد دستیاب وسائل کے مطابق ترجمہ کے ذریعہ ان لوگوں کی ضرورت پوری کی جاسکتی جو عربی نہ سمجھ سکتے ہوں۔

زیادہ قرین قیاس یہ ہے کہ جمہور فقہاء جو خطبہ کے عربی زبان میں دیئے جانے کے قائل ہیں، کی رائے سے مراد یہی ہو، لہذا اگر سامعین میں عربی زبان سمجھنے والے کم ہوں یا بالکل نہ ہوں تو ایسی صورت میں ان کی زبان میں خطبہ دیئے جانے میں کوئی حرج نہیں۔ یہی امام ابوحنیفہ کا مسلک ہے جنہوں نے غیر عربی میں خطبہ کو جائز قرار دیا ہے۔

(کونسل کا فتوی مکمل ہوا)۔

ہم دیکھ سکتے ہیں کہ اس فتوی میں مندرجہ ذیل امور کو ملحوظ رکھا گیا ہے:

۱- یہ فتوی درحقیقت مغرب میں مقیم ان مسلمان اقلیتوں سے متعلق ہے جن کے درمیان ایک ہی زبان بولنے والوں کی بڑی تعداد پائی جاتی ہے، خواہ وہ انگریزی بولنے والے ہوں یا ترکی بولنے والے یا اردو بولنے والے وغیرہ وغیرہ۔

۲- یہ فتوی امر تعبدی کے سلسلہ میں نصوص کے تقاضوں اور خطبہ کے اس شرعی مقصد کہ اس سے مقصود سامعین کی تفہیم ورہنمائی ہے، کے درمیان امتزاج کا نمونہ ہے۔ یعنی یہ کہ خطبہ دینا ایک شرعی فریضہ ہے اور اس کا سمجھنا ایک بنیادی مقصد ہے۔

۳- کونسل نے اس سلسلہ میں امام ابوحنیفہ کے مسلک کو اس کے باوجود اختیار کیا ہے کہ وہ جمہور فقہاء کی رائے سے مختلف ہے، کیونکہ یہی رائے ان لوگوں کے لئے زیادہ مناسب ہے جو اس مسئلہ سے دوچار ہیں۔

چہارم:

غیر مسلم رشتہ داروں کے جنازہ میں شرکت

کونسل کے پاس غیر مسلم والدین کے جنازہ میں شرکت کے جواز سے متعلق ایک سوال آیا جس کا جواب کونسل نے یہ دیا:

اسلام نے والدین کے ساتھ نیکی اور حسن سلوک کا حکم دیا ہے چاہے وہ غیر مسلم ہی کیوں نہ ہوں۔ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: "**وقضى ربك ألّا تعبدوا إلّا إياه وبالوالدين إحسانا إما يبلغن عندك الكبر أحدهما أو كلاهما فلا تقل لهما أف ولا تنهرهما وقل لهما قولاً كريماً**" (سورہ اسراء: ۲۳) (اور تیرے رب پروردگار نے حکم دے رکھا ہے کہ بجز اسی (ایک رب) کے کسی اور کی پرستش نہ کرنا اور ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک رکھنا، اگر وہ تیرے سامنے بڑھاپے کو پہنچ جائیں ان دونوں میں سے ایک یا وہ دونوں تو تو ان سے ہُوں بھی نہ کہنا اور نہ ان کو جھڑکنا اور ان سے ادب کے ساتھ بات چیت کرنا)، ایک اور مقام پر اللہ تعالی نے فرمایا: "**وإن جاهداك على أن تشرك بي ما ليس لك به علم فلا تطعهما وصاحبهما في الدنيا معروفاً واتبع سبيل من أناب إليّ ثم إليّ مرجعكم فأنبئكم بما كنتم تعملون**" (سورہ لقمان: ۱۵) (اور اگر وہ دونوں تجھ پر اس کا زور ڈالیں کہ تو میرے ساتھ کسی چیز کو شریک ٹھہرائے جس کی تیرے پاس کوئی دلیل نہیں، تو تو ان کا کہنا نہ ماننا اور دنیا میں ان کے ساتھ خوبی کے ساتھ بسر کئے جانا اور اسی کی راہ پر چلنا جو میری طرف رجوع کئے ہو، پھر تم (سب) کو میرے پاس آنا ہے، پھر جو کچھ تم کرتے رہتے تھے میں تمہیں سب جتلا دوں گا)۔

اسی طرح اسلام نے صلہ رحمی کا حکم دیا اور اس پر ابھارا ہے۔

نیکی اور حسن سلوک کا یہ فریضہ خوشی و مسرت اور حادثات و مصائب کے وقت زیادہ اہم ہوجاتا ہے، سب سے بڑا سانحہ تو موت ہے جو کسی عزیز کی وفات کی صورت میں تمام رشتہ داروں کو اکٹھا کردیتی ہے۔ انسان فطری طور پر اپنے وفات یافتہ عزیز اور رشتہ دار کے حوالہ سے اپنے جذبات کے اظہار کی ضرورت محسوس کرتا ہے۔ اسی لئے حضرت ابوہریرہؓ سے مروی صحیح حدیث میں وارد ہے کہ آپ ﷺ نے اپنی والدہ کی قبر کی زیارت کی تو خود بھی رو پڑے اور اپنے گرد و پیش کے لوگوں کو بھی رلا دیا پھر آپ ﷺ نے فرمایا: میں نے اپنے رب سے اجازت مانگی کہ ان کے لئے مغفرت کی دعا کروں تو مجھے اجازت نہیں دی گئی اور میں نے اس سے ان کی قبر کی زیارت کی اجازت مانگی تو دے دی گئی، لہذا تم لوگ زیارت کرو، کیونکہ یہ موت کی یاد دلاتی ہے(۱)۔

اس میں یہ اضافہ بھی کیا جانا چاہئے کہ اسلام نے انسان کے احترام کی خواہ وہ مومن ہو یا کافر، زندہ ہو یا مردہ، دعوت دی ہے۔ بخاری اور مسلم کی روایت کے مطابق صحیح سندوں سے ثابت ہے کہ جب آپ ﷺ ایک جنازہ کے لئے کھڑے ہوئے اور کسی نے آپ ﷺ سے کہا کہ یہ ایک یہودی کا جنازہ ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا: "أليست نفساً" (کیا وہ ایک انسان نہیں ہے؟) اور اگر جنازہ والد یا والدہ یا کسی قریبی رشتہ دار کا ہو تو جذبات کیا ہوں گے؟!!

مذکورہ تفصیلات کی روشنی میں ایک مسلمان کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ اپنے غیر مسلم والدین یا اپنے کسی غیر مسلم رشتہ دار کے جنازہ کی مشایعت کرے، اس میں بھی کوئی حرج نہیں کہ وہ ان دینی پروگراموں میں شرکت کرے جو عام طور پر مرنے والوں کے لئے گرجا گھروں اور عبادت گاہوں میں منعقد کئے جاتے ہیں، البتہ مذہبی نوعیت کے رسوم و رواج اور عبادات میں

۱- اس حدیث کی روایت مسلم، احمد اور سوائے ترمذی کے تمام اہل سنن نے کی ہے۔

شریک نہ ہو۔ اسی طرح وہ تدفین میں بھی شرکت کرسکتا ہے۔ اس کی نیت یہ ہونی چاہئے کہ وہ نیکی اور صلہ رحمی کا حق ادا کر رہا ہے، اپنے خاندان کے غم میں شریک ہو رہا ہے اپنے رشتہ داروں سے اپنے روابط کو مستحکم کر رہا ہے اور ان اسباب سے بچ رہا ہے جو اس طرح کے مواقع سے اس کی غیر موجودگی کی صورت میں ان کی حق تلفی کے موجب ہوں گے۔

اس فتوی میں مندرجہ ذیل امور کی رعایت ملحوظ رکھی گئی ہے:

۱- غیر مسلم رشتہ داروں اور پڑوسیوں سے تعلق کے سلسلہ میں اخلاقی اقدار اور انسانی اوصاف کا پاس ولحاظ، یہ فتوی نیکی اور اس معاشرہ سے حسن تعلق کے اصول سے ہم آہنگ ہے جس میں ہم رہ رہے ہوں۔

۲- اس میں اس بات کی صراحت ہے کہ غیر مسلموں کی عبادات اور رسوم میں شرکت ناجائز ہے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ لچک سے مراد یہ نہیں ہے کہ شریعت کے مسلمات سے دست بردار ہوجایا جائے۔

پنجم:

غیر مسلموں کے قبرستان میں مسلمان کی تدفین

کونسل کے پاس یہ سوال آیا: کیا مغرب میں مقیم مسلمانوں کو غیر مسلموں کے قبرستان میں دفن کرنا جائز ہے؟

کونسل نے اس سوال کا مندرجہ ذیل جواب دیا:

ایک مسلمان کی وفات ہوجانے کی صورت میں اسلامی شریعت کے کچھ احکام اس سے متعلق ہوتے ہیں جیسے میت کو غسل دینا، اس کی تجہیز وتکفین کرنا، اس کی نماز جنازہ ادا کرنا، ان ہی احکام میں سے ایک مسلمانوں کے قبرستان میں اس کی تدفین بھی۔ یہ اس لئے کہ تدفین اور قبروں کے بنانے کے سلسلہ میں مسلمانوں کا اپنا ایک مخصوص طریقہ ہے یعنی ان میں سادگی اختیار کرنا، ان کا رخ قبلہ کی طرف ہونا، ان کے تیار کرنے میں مشرکین اور خوش حال متکبرین کی مشابہت سے احتراز وغیرہ۔

یہ ایک عام بات ہے کہ ہر مذہب کے ماننے والوں کا اپنا مخصوص قبرستان ہوتا ہے۔ چنانچہ یہودیوں کے اپنے مخصوص قبرستان ہوتے ہیں، عیسائیوں کے اپنے مخصوص قبرستان ہوتے ہیں، اسی طرح بت پرستوں کے بھی اپنے مخصوص قبرستان ہوتے ہیں، لہذا اگر مسلمانوں کے بھی اپنے مخصوص قبرستان ہوں تو اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں اور غیر مسلم ممالک میں مقیم مسلمانوں پر واجب ہے کہ جہاں تک ممکن ہوسکے باہمی اتحاد کے ذریعہ اپنے لئے مخصوص قبرستان تیار کرنے کی کوشش کریں، کیونکہ اس سے ان کے وجود کو تقویت ملے گی اور ان کا تشخص محفوظ رہے گا۔ اگر وہ اپنے لئے علاحدہ اور مخصوص قبرستان کے حصول پر قادر نہ ہوں تو کم سے کم غیر مسلموں کے

قبرستان کے ایک گوشہ ہی میں ان کے لئے ایک حصہ خاص کر دیا جائے جہاں وہ اپنے مردوں کی تدفین کر سکیں۔

اگر ان دونوں صورتوں میں سے کوئی صورت نہ ہو اور ان میں کا کوئی شخص انتقال کر جائے تو جہاں ممکن ہو اسے دفن کر دیا جائے، خواہ غیر مسلموں کے قبرستان ہی میں کیوں نہ ہو، کیونکہ اللہ تعالی کسی شخص کو اس کی وسعت سے زیادہ کا مکلف نہیں بناتا ہے۔ اگر اس حالت میں ایک مسلمان کی موت ہو جاتی ہے اور اسے غیر مسلموں کے قبرستان میں دفن کر دیا جاتا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، کیونکہ ایک مسلمان کی اخروی زندگی میں اس کے لئے جو چیز نافع ہے وہ اس کی اپنی کوشش اور اپنا نیک عمل نہ کہ اس کی جائے تدفین۔ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: "وأن ليس للإنسان إلّا ما سعى" (سورہ نجم:۳۹) (اور انسان کو صرف اپنی ہی کمائی ملے گی)۔ اسی مفہوم میں حضرت سلمان فارسیؓ کا قول ہے: ''زمین کسی کو پاکیزہ نہیں بناتی، انسان کو اس کا عمل پاکیزہ بناتا ہے''۔

اس کے علاوہ شرعاً اصل یہ ہے کہ ایک انسان کی تدفین وہیں ہو جہاں اس کی موت واقع ہوئی ہو۔ یہ اس تکلف اور اہتمام سے بدرجہا زیادہ آسان ہے جو مسلمان اپنے مردوں کو مسلم ممالک میں منتقل کرنے کے لئے کرتے ہیں، کیونکہ اس میں مشقت اور مال کو ضائع کرنا ہے، اسی طرح میت کے اہل خانہ سے مسلم قبرستان کی دوری اس کے غیر مسلموں کے قبرستان میں دفن کے لئے وجہ جواز نہیں بن سکتی ہے، اس لئے کہ قبروں کی زیارت بنیادی طور پر زیارت کرنے والے کی عبرت کے لئے ہے جیسا کہ مندرجہ ذیل حدیث سے ثابت ہے: "كنت نهيتكم عن زيارة القبور، ألا فزوروها، فإنها ترقق القلب، وتدمع العين وتذكر الآخرة"(۱) (میں نے تمہیں قبروں کی زیارت سے روکا تھا، سنو! اب ان کی زیارت کرو، کیونکہ اس سے دل نرم ہوتے ہیں، آنکھیں اشکبار ہوتی ہیں اور آخرت کی یاد تازہ ہوتی ہے)۔ جہاں تک میت کا

۱- اس حدیث کی روایت احمد اور حاکم نے حضرت انسؓ سے کی ہے۔

تعلق ہے تو ایک مسلمان اس کے لئے دعا اور استغفار کرسکتا ہے اور دعا اور استغفار کرنے والا جہاں بھی ہو اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس کا ثواب متوفی کو پہنچے گا۔

(کونسل کا فتویٰ مکمل ہوا)۔

اس فتویٰ میں مندرجہ ذیل امور کی رعایت کی گئی ہے:

۱- اس فتویٰ میں میت خواہ وہ کوئی بھی ہو، کے احترام کو ملحوظ رکھا گیا ہے اور واضح کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی شخص پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا۔ لہٰذا میت کی تدفین ضروری ہے اور اصل یہ ہے کہ اسے مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا جائے، اگر مسلمانوں کا کوئی قبرستان نہ ہو تو کم سے کم دیگر مذاہب کے قبرستانوں میں ایک گوشہ ان کے لئے خاص کردیا جائے، اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو ایک مسلمان کو کہیں بھی دفن کردینے میں کوئی حرج نہیں۔

۲- فتویٰ میں زیارت قبور اور غیر مسلموں کے قبرستان میں مسلمانوں کی تدفین دونوں امور سے متعلق شرعی تعلیمات کی وضاحت کی گئی ہے۔

ششم:

قربانی کے جانور سے متعلق عمر کی شرط

کونسل نے اس سوال کے جواب میں کہ قربانی میں جانور کی عمر کی شرط کس حد تک ضروری ہے، یہ رائے ظاہر کی کہ بھیڑ اور بکری کی قربانی میں متعین عمر کا اعتبار اس سے فائدہ کو یقینی بنانے اور شرعاً اس کے جائز ہونے کی غرض سے ہے۔ عمر اس کی ایک علامت یا نشانی ہے یہ مقصد فطری طور پر جانوروں کی فزائش سے بھی حاصل ہوسکتا ہے اور موٹا کرنے کے جدید طریقوں کا استعمال کر کے بھی۔ لہٰذا ایسے جانور کی قربانی جائز ہے، کیونکہ اس سے وہ شرعی غرض پوری ہو جاتی ہے جو عمر کی شرط سے مقصود ہے۔ بعض مشاہیر مالکیہ نے اس کا فتوی دیا ہے۔ اس سلسلہ میں صحت کے تقاضوں کو ملحوظ رکھنا مناسب ہوگا تا کہ قربانی کے بیمار یا عمومی وباؤں میں مبتلا جانوروں سے لاحق ہونے والے نقصانات مثلاً گائے کے پاگل پن سے بچا جا سکے۔ واللہ اعلم۔

اس موقع پر کونسل مسلمانوں کی توجہ مندرجہ ذیل امور کی طرف مبذول کراتی ہے:

- وہ صحت سے متعلق ان قوانین کی پابندی کریں جن کی رو سے سرکاری مذابح میں ذبح کئے جانے والے جانور کی نگرانی امراض حیوانات کے ماہرین کے ذریعہ لازم ہے۔
- شرعاً یہ جائز ہے کہ ایک مسلمان اپنی طرف سے کسی کو اپنی قربانی کا جانور ذبح کرنے کی ذمہ داری سونپ دے خواہ یہ کسی دوسرے ملک ہی میں کیوں نہ ہو، خاص طور پر ان ممالک میں جہاں مسلمان ظلم یا بھوک مری یا شدید فقر و فاقہ سے دوچار ہیں۔
- اگر قربانی کرنے والا عید کے پہلے روز مذبح سے قربانی کا جانور حاصل نہ کر سکے تو وہ عید

کے چوتھے دن تک قربانی کرسکتا ہے، اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

(کونسل کا فتوی مکمل ہوا)

اس فتوی میں مندرجہ پہلوؤں کا احاطہ کیا گیا ہے:

۱-فتوی میں ملک اور جائے ذبح کی خاص طور پر رعایت کی گئی ہے، مسلم اقلیتوں کے حوالہ سے یہ نہایت مشکل امور ہیں۔

۲-فتوی میں حکم کے ساتھ مخصوص اس مقصد کی رعایت کی گئی ہے کہ قربانی کے جانور میں عمر کی شرط اس بات کو یقینی بنانے کے لئے ہے کہ قربانی کا جانور انتفاع کے قابل ہے یا نہیں، لہذا عمر بجائے خود مقصود نہیں ہے۔

ہفتم:

کیٹرینا کے طوفان زدہ امریکیوں کی مالی مدد

کیٹرینا طوفان کے بعد بہت سے اسلامی مراکز میں انتظامیہ اور ائمہ کے درمیان ایک تنازعہ پیدا ہوگیا۔ وہ اس طرح کہ بعض لوگوں کا خیال تھا کہ طوفان زدگان کی مدد ضروری ہے جب کہ دوسروں کا خیال تھا کہ ان کی مدد کرنا درست نہیں، جب انتشار بہت زیادہ ہوگیا اور اس ضمن میں میرے پاس کثرت سے سوالات آنے لگے تو میں نے جواب دینے کا فیصلہ کیا اور امریکہ کی متعدد فقہی کونسلوں سے وابستہ علماء کے سامنے اس مسئلہ کو رکھا اور اس کا جواب اسلامی مراکز کو بھیجا۔ یہ سوال وجواب آپ کی خدمت میں پیش ہیں:

سوال: کیا مسلمانوں کے لئے شرعاً جائز ہے کہ وہ کیٹرینا کے طوفان زدہ امریکیوں کی مالی مدد کریں اور ان کی راحت رسانی کے کام میں ہاتھ بٹائیں؟

جواب: مسلمانوں کے لئے از روئے شرع بہتر ہے کہ کیٹرینا طوفان کے متاثرین کی راحت رسانی کے لئے جد وجہد کریں اور ان کی مالی مدد کریں۔ اس کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں:

پہلی دلیل

شریعت کی وہ نصوص جو انسانوں کو بچانے، محتاجوں کی مدد کرنے اور آفت زدہ لوگوں کو راحت پہنچانے کی ترغیب دیتی ہیں، عام ہیں۔ ان میں سے بعض یہ ہیں:

۱- اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "أنه من قتل نفساً بغير نفس أو فساد في الأرض فكأنما قتل الناس جميعاً ومن أحياها فكأنما أحيا الناس جميعا" (سورہ مائدہ:۳۲)

(جوکوئی کسی کوکسی جان کے (عوض کے) یا زمین پر فساد (کے عوض) کے بغیر مار ڈالے تو گویا اس نے سارے آدمیوں کو مار ڈالا اور جس نے ایک کو بچالیا تو گویا اس نے سارے آدمیوں کو بچالیا)۔

۲- اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''ویطعمون الطعام علی حبه مسکیناً ویتیماً و أسیراً إنما نطعمکم لوجه الله لَا نرید منکم جزاء ولَا شکوراً'' (سورہ انسان: ۸-۹) (اور کھانا کھلاتے رہتے ہیں مسکینوں اور یتیموں اور غریبوں کو اللہ کی محبت سے، ہم تو تم کو بس اللہ ہی کی خوشنودی کے لئے کھانا کھلاتے ہیں اور نہ تم سے اس کا عوض چاہتے ہیں اور نہ شکریہ)۔

۳- اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''کلا بل لَا تکرمون الیتیم ولَا تحاضون علی طعام المسکین'' (سورہ فجر: ۱۷-۱۸) (یہ بات نہیں، اصل یہ ہے کہ تم لوگ یتیم کی قدر نہیں کرتے ہو اور دوسروں کو بھی مسکین کے کھانا دینے کی ترغیب نہیں دیتے ہو)۔

۴- بخاری کی روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''فی کل ذی کبد رطبة أجر'' (۱) (ہر تر جگہ والے جان دار کی مدد میں اجر ہے)۔

یہ نصوص عام ہیں، ان کی تخصیص کی کوئی وجہ نہیں۔ لہذا یہ اپنے عموم پر باقی رہیں گی یعنی ان کی رو سے ہر طرح کے محتاجوں، ناداروں اور مصیبت زدوں کی مدد، راحت رسانی اور کفالت واجب ہے۔

دوسری دلیل

اسلام سے پہلے اور اس کے بعد بھی آپ ﷺ کا یہ معمول تھا کہ آپ ﷺ صلہ رحمی کرتے تھے، لوگوں کا بوجھ ڈھوتے تھے، ناداروں کا بندوبست کرتے تھے، مہمانوں کی میزبانی کرتے تھے اور حق کے مصائب میں لوگوں کی اعانت کرتے تھے (۲)۔

۱- کتاب المساقاة، باب فضل سقی الماء۔

۲- یہ حضرت عائشہ کی ایک حدیث کا جزء ہے جسے امام بخاری نے اپنی صحیح کی کتاب بدء الوحی، باب بدء الوحی میں نقل کیا ہے۔

یہی الفاظ ابن الدغنہ نے بھی حضرت ابوبکرؓ کے لئے اس وقت اپنی زبان سے ادا کئے تھے جب حضرت ابوبکرؓ نے مکہ سے ہجرت کا ارادہ کرلیا تھا۔ اس کی ذکر کردہ باتوں میں سے ایک یہ تھی کہ ''وہ حق کے مصائب میں لوگوں کی اعانت کرتے ہیں''(۱)۔ ابن الدغنہ اس وقت غیر مسلم تھے اور انہوں نے حضرت ابوبکرؓ کے حق میں یہ گواہی دی کہ ان کا فیض اور تعاون مسلمانوں کے علاوہ عام ناداروں کو بھی پہنچتا ہے۔

تیسری دلیل

ہم ہر جمعہ کو سورہ کہف کی تلاوت کرتے ہیں۔ اس سورہ کے آخر میں ہے کہ ذوالقرنین نے مظلوموں کی مدد کی تھی، ان کو یاجوج وماجوج کے حملوں سے بچانے کی تدبیر کی تھی اور بغیر کسی معاوضہ کے ان کے لئے ایک مضبوط بند باندھ دیا تھا۔ اس کے بدلہ میں انہوں نے ان سے اسلام قبول کرنے کا بھی مطالبہ نہیں کیا۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ ہر بیمار اور محتاج کا علاج، اس کی مدد اور نصرت واجب ہے۔

چوتھی دلیل

امام مسلم (۲) نے منذر بن خبیب سے اور انہوں نے اپنے والد خبیب سے یہ روایت نقل کی ہے کہ ''ہم لوگ دن چڑھے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں موجود تھے کہ وہاں کچھ ایسے لوگ آئے جو ننگے پیر اور ننگے سر تھے، وہ سفید اور کالی دھاردھار چادریں یا عبا پہنے ہوئے اور تلواریں لٹکائے ہوئے تھے، ان میں سے بیش تر بلکہ سب کے سب قبیلہ مضر سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے فقر وتنگ دستی کی یہ حالت دیکھ کر رسول اللہ ﷺ کا چہرہ متغیر ہوگیا، آپ ﷺ اندر گئے اور

۱- یہ حضرت عائشہؓ کی ایک حدیث کا جزء ہے جسے امام بخاری نے اپنی صحیح کی کتاب الحوالات باب جوار أبی بکر فی عہد النبی ﷺ میں ذکر کیا ہے۔

۲- کتاب الزکوۃ باب الحث علی الصدقۃ ولو بشق تمرۃ أو کلمۃ۔

باہر آئے پھر آپ ﷺ نے حضرت بلالؓ کو حکم دیا تو انہوں نے اذان دی اور اقامت کہی، اس کے بعد آپ ﷺ نے نماز پڑھائی اور خطبہ ارشاد فرمایا: "یا أیها الناس اتقوا ربکم الذی خلقکم من نفس واحدة إلی آخر الآیة إن الله کان علیکم رقیباً"۔ (اے لوگو! اپنے اس رب کا لحاظ رکھو جس نے تم سب کو ایک جان سے پیدا کیا..... بے شک اللہ تعالیٰ تمہارا نگہبان ہے)۔ اس پوری آیت کے بعد آپ ﷺ نے سورہ حشر کی یہ آیت بھی پڑھی: "اتقوا الله ولتنظر نفس ما قدمت لغد واتقوا الله" (اللہ سے ڈرتے رہو اور ہر شخص دیکھ لے کہ اس نے کل کے واسطے کیا بھیجا ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو) کسی نے اپنے پاس موجود دینار، کسی نے درہم، کسی نے کپڑے، کسی نے گیہوں اور کسی نے کھجور یہاں تک کہ کھجور کا ایک ٹکڑا تک صدقہ کیا، راوی کا بیان ہے کہ انصار میں سے ایک شخص ایک تھیلا لے کر آیا جو اس کے ہاتھ سے اٹھ نہیں پا رہا تھا، راوی یہ بھی کہتے ہیں کہ اس کے بعد لوگ مسلسل صدقہ کرتے رہے یہاں تک کہ میں نے غلوں اور کپڑوں کے دو ڈھیر دیکھے پھر میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کا چہرہ انور اس طرح چمک رہا تھا گویا وہ سونے کا ہو، اس کے بعد آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "من سن فی الإسلام سنة حسنة فله أجرها وأجر من عمل بها بعده من غیر أن ینقص من أجورهم شیئ، ومن سن فی الإسلام سنة سیئة کان علیه وزرها ووزر من عمل بها من بعده من غیر أن ینقص من أوزارهم شیئ" (جس نے اسلام میں کوئی اچھا طریقہ رائج کیا اس کا اجر اس کو ملے گا اور اس کے بعد طریقہ پر عمل کرنے والوں کا اجر بھی اسے ملے گا بغیر اس کے کہ ان کے اجر میں کوئی کمی کی جائے اور جس نے اسلام میں کوئی بر اطریقہ ایجاد کیا اس پر اس کا وبال ہوگا اور ان لوگوں کا وبال بھی جو اس کے بعد اس پر عمل کریں گے بغیر اس کے کہ لوگوں کے وبال میں کمی کی جائے)۔

حدیث میں اس کی کوئی صراحت نہیں ہے کہ یہ لوگ مسلمان تھے یا غیر مسلم، نبی ﷺ

کا غصہ ان سے ہمدردی، شفقت اور مسلمانوں کو اس غرض سے جمع کرنے کے لئے تھا کہ وہ ان کی مدد ونصرت پر آمادہ ہوں۔ جب کثیر مقدار میں امدادی سامان رسول اللہ ﷺ کے سامنے آیا تو آپ ﷺ صحابہ کی اس تعمیل حکم پر بہت خوش ہوئے۔

پانچویں دلیل

امام مسلم (۱) نے حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت کی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ ایک سفر میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے کہ ایک شخص اپنی سواری پر آیا اور دائیں بائیں دیکھنے لگا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: **من كان معه فضل ظهر فليعد به على من لا ظهر له، ومن كان له فضل من زاد فليعد به على من لا زاد له**" (جس کے پاس اپنی ضرورت سے زائد اونٹ ہو وہ اس شخص کو دیدے جس کے پاس اونٹ نہ ہو اور جس کے پاس اس کی ضرورت سے زائد توشہ ہو وہ اس شخص کو دے دے جس کے پاس توشہ نہ ہو)۔ راوی کا بیان ہے کہ آپ ﷺ نے مال کی اتنی اقسام ذکر کی ہیں کہ ہم یہ سمجھنے لگے کہ ہم میں سے کسی شخص کا اپنے پاس موجود ضرورت سے زائد مال میں کوئی حق نہیں ہے۔

حدیث میں مذکور شخص کا نام ونسب اور مذہب معلوم نہیں، البتہ اتنا معلوم ہے کہ وہ ضرورت مند تھا، اسی وجہ سے نبی ﷺ نے لوگوں کو یہ ترغیب دی کہ وہ ضرورت سے زائد مال اس محتاج پر صرف کردیں یہاں تک کہ حضرت ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں: ہم نے یہ سمجھا کہ ہم میں سے کسی کے پاس موجود ضرورت سے زائد مال میں اس کا کوئی حق نہیں ہے، یعنی اگر ضرورت عمومی نوعیت کی ہو تو اپنی ضرورت سے زائد مال رکھنے والے پر واجب ہے کہ اس سے فائدہ اٹھانے کے بجائے اس کو ضرورت مند پر صرف کرے۔

۱- کتاب اللقطۃ، باب استحباب المواساۃ بفضول المال۔

چھٹی دلیل

ابن الاثیر نے الکامل (۱) میں حضرت علی بن ابی طالبؓ کا یہ قول نقل کیا ہے: ''اللہ تعالی نے غریبوں کے لئے مال داروں کے مال میں ان کی وسعت کے بقدر حصہ مقرر کیا ہے، لہذا اگر مال دار غریبوں کو ان کا حق نہ دیں اور اس کی وجہ سے غریب بھوکے رہنے اور پریشانی اٹھانے پر مجبور ہوں تو اللہ تعالی ان سے سخت حساب لے گا اور انہیں عبرتناک سزا دے گا۔

ساتویں دلیل

امام جوینی اپنی کتاب ''الغیاثی'' (۲) میں فرماتے ہیں: ''اگر ایک فقیر بھوکا ہو اور بھوک کی وجہ سے مال داروں کے درمیان اس کی موت ہو جائے جو اس کی ضرورت سے واقف ہوں تو یہ سب کے سب مال دار گنہ گار ہوں گے اور اللہ تعالی روز قیامت ان کو طلب کر کے ان کا محاسبہ کرے گا۔

ہمارے فقہاء مثلاً ابن حزم اندلسی ظاہری، ابن قدامہ مقدسی حنبلی، نووی شافعی، محمد بن حسن شیبانی حنفی، کاسانی حنفی اور ابن العربی مالکی وغیرہ کے ہاں اس مفہوم سے ملتی جلتی عبارتیں ملتی ہیں۔ یہ حضرات اپنی دقیق فقہی عبارتوں میں مسلم اور غیر مسلم کے درمیان کوئی فرق نہیں کرتے۔

آٹھویں دلیل

قاعدہ ہے: "**الغرم بالغنم**" (تاوان نفع کے عوض ہے)۔ یہ قاعدہ تمام معاملات پر حاوی ہے۔ اس کی وضاحت یہ ہے کہ اگر ہم کسی ملک میں مسلمان کی حیثیت سے رہ رہے ہیں،

۱- ابن الاثیر، الکامل فی التاریخ ۶/۴ ۵۵۔

۲- امام الحرمین ابو المعالی عبد الملک بن عبد اللہ الجوینی، غیاث الامم فی التیاث الظلم (الغیاثی)، تحقیق ڈاکٹر عبد العظیم الدیب، فقرہ ۳۳۹۔

وہاں کے علم، مال اور آزادی سے فائدہ اٹھا رہے ہیں اور وہاں کسی ایسی عورت کو طلاق ہوجاتی ہے جس کی اور جس کے بچوں کی کوئی کفالت کرنے والا نہ ہوتو اس کے اخراجات ان ٹیکسوں سے پورے کئے جائیں گے جو مسلمان اور غیر مسلم ادا کرتے ہیں۔ اگر کوئی شخص بے روزگار ہوتو ان ٹیکسوں سے اس کو ماہانہ تنخواہ دی جائے گی، ان تفصیلات کی روشنی میں ہمارے اوپر واجب ہے کہ ہم اپنے قرب وجوار کے ان امریکیوں کی مالی امداد میں جو اس بڑے حادثہ سے دوچار ہوئے، سنجیدگی سے شریک ہوں اور ان کی راحت رسانی کے لئے جدوجہد کریں۔ ماہرین کے مطابق یہ گذشتہ دسیوں سال میں پیش آنے والے حادثات سے زیادہ سنگین ہے بلکہ بعض کی رائے تو یہ ہے کہ یہ سان فرانسیکو کے ۱۹۰۶ء کے زلزلہ سے زیادہ خطرناک ہے۔

نویں دلیل

ایک سچا واقعہ ہے جو خود میں نے مغربی افریقہ کے ملک ''بنین'' کے ایک قبیلہ کے سردار حاجی سلطان کی زبان سے سنا۔ واقعہ یہ پیش آیا کہ ایک بار یہاں ملک گیر سطح پر بھیانک قسم کی بھوک مری ہوگئی، اس موقع پر کسی اسلامی امدادی ادارہ کی طرف سے مسلمان متاثرین کو کھانا کھلانے کا انتظام کیا گیا تو مسلمانوں کے ایک پڑوسی قبیلہ کے سردار سلطان جو اس وقت بت پرست تھے اور وہ خود بھی اور ان کے قبیلے کے لوگ بھی بتوں کی پوجا کرتے تھے، نے آکر اپنے قبیلہ کے لوگوں کے لئے کچھ کھانا مانگا، اس کے جواب میں ایک مسلمان رضا کار نے جو علم نہیں رکھتا تھا یہ کہہ دیا کہ جب تک تم لوگ غیر مسلم ہو، مسلمانوں کے صدقات میں تمہارا کوئی حق نہیں لیکن ایک دوسرے رضا کار نے جو علم رکھتا تھا اور بیدار مغز بھی تھا یہ کہا کہ نہیں، ہم پر واجب ہے کہ ہم ایسے لوگوں کو کھانا کھلائیں قرآن کی کوئی آیت، اسی طرح کوئی حدیث ایسی نہیں جس میں محتاجوں کو کھانا کھلانے کی ترغیب عموم کے صیغہ میں نہ دی گئی ہو خواہ وہ کوئی بھی ہوں اور کیسے ہی کیوں نہ ہوں، چنانچہ ان لوگوں نے ان غریبوں کو کھانا اور گوشت دیا، اس آدمی نے واپس جا کر

اپنے قبیلہ کے لوگوں کو یہ گفتگو سنائی اور جب سب نے کھانا کھالیا تو قبیلہ کے سردار اور ان کے ساتھ ان کے پورے کے پورے قبیلہ نے اسلام قبول کرلیا۔ اللہ کے فضل سے ان کی تعداد ۴۰۰ تھی۔ وہ حج بیت اللہ کے لئے تشریف لائے تو ہماری ان سے ملاقات ہوئی۔

دسویں دلیل

اسلامی تعلیمات، انسانی اخلاق، حق ہمسائیگی اور فریضہ دعوت ان سب کا تقاضا ہے کہ مسلمان لازماً کیتھرینا اور اس جیسی آفات سے خواہ وہ اللہ کی وسیع زمین میں کہیں بھی پیش آئیں متاثر ہونے والوں کی امداد کے لئے اپنے تمام تر امکانی وسائل کے ساتھ آگے آئیں۔ ہم دیکھ سکتے ہیں کہ اس فتوی میں مندرجہ ذیل پہلوؤں کی رعایت کی گئی ہے:

۱۔ فتوی میں ان نصوص کے عموم پر زور دیا گیا ہے جن میں ہر انسان اس سے قطع نظر کہ اس کی نسل اور اس کا مذہب کیا ہے، ہمدردی کی ترغیب دی گئی ہے۔

۲۔ فتوی میں ہماری فقہی تاریخ کو پیش نظر رکھتے ہوئے امت کے مختلف مسالک اور مکاتب فکر کے علماء کی آراء سے استفادہ کیا گیا ہے۔

۳۔ فتوی میں ''**الغرم بالغنم**'' (تاوان نفع اٹھانے کے عوض ہے) سے متعلق اصولی قواعد اور شرعی مقاصد دونوں کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔

۴۔ فتوی میں رفاہی کاموں کے دعوتی پہلو پر خاص زور دیا گیا ہے۔

خلاصۂ بحث

۱-تفصیلات میں جانے سے پہلے یہ ضروری ہے کہ ''مسلمان اقلیتوں کی فقہ'' سے متعلق اجتہاد کے مناہج اور ضوابط واضح کر دیئے جائیں، کیونکہ قرآن شرعت یعنی تفصیلی احکام اور منہاج یعنی طریقہ ہائے استنباط دونوں کی صراحت کرتا ہے۔

۲-بین الاقوامی اداروں کے درمیان اقلیت کی تعریف میں بڑا اختلاف پایا جاتا ہے، بعض عددی پہلو کو ترجیح دیتے ہیں اور بعض حقوق اور اختیارات کے پہلو کو جب کہ بعض ان دونوں پہلوؤں کو اہمیت دیتے ہیں۔میرے نزدیک اقلیت کی تعریف یہ ہے:

یہ کسی مذہبی یا لسانی یا نسلی خصوصیت کی حامل وہ جماعت ہے جو اپنی خصوصیت کے تحفظ کی خواہاں ہو اور جس ملک سے اس کا تعلق ہو وہاں اس کی تعداد کم ہو یا زیادہ ہو مگر وہ محکوم ہو۔

۳-کوئی عالم اس وقت تک ''فقہ الاقلیات'' کے سلسلہ میں اجتہاد کا اہل نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ اس منہج کو تسلیم نہ کرے کہ ہم وطنی کے تصور کو مستحکم کرنے اور مقیم نہ کہ مسافر کی فقہ کو بنیاد بنانے کی ضرورت ہے۔

۴-اس منہج کو اختیار کرنا ضروری ہے جس کی رو سے غیر مسلم ممالک میں مقیم مسلمانوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے اپنے ملکوں کی اصلاح کا بیڑہ اٹھائیں۔

۵- یہ بات بہت اہم ہے کہ شرعی نصوص کے ساتھ ساتھ اس معاشرہ کے سیاسی اور سماجی حالات کا بھی گہرا مطالعہ کیا جائے جہاں اقلیت رہ رہی ہو،یعنی معاشرہ میں موجود قوت وضعف اور مواقع وچیلنجز کا جائزہ لیا جائے تا کہ اجتہاد کا سرچشمہ ایک ایسی فقہ بن سکے جو نص اور عملی صورت حال دونوں کی جامع ہو۔

۶-چھوٹے چھوٹے مسائل میں کسی بھی ماہر عالم کے لئے انفرادی حیثیت میں فتوی دینا جائز ہے، لیکن عمومی نوعیت کے حامل اور بڑے بڑے مسائل میں کسی بھی شیخ یا امام یا عالم کے لئے اصل یہی ہے کہ وہ اجتماعی اجتہاد کا طریقہ اختیار کرے اور فتوی سے متعلق مسائل کے سلسلہ میں خصوصی مہارت رکھنے والے علماء جیسے ماہرین طب، ماہرین فلکیات، ماہرین اقتصادیات اور ماہرین سیاسیات اجتہاد کریں۔

۷-کوئی بھی معاصر فقیہ اس سے بے نیاز نہیں رہ سکتا کہ وہ اسلامی شریعت کے عمومی، جزوی اور خاص مقاصد کے مطالعہ اور جائزہ میں وسعت نظر سے کام لے اور حتی الامکان اس بات کی کوشش کرے کہ کسی خاص مسئلہ میں اس کا اجتہاد کسی جزئی یا کسی کلی مقصد سے متصادم نہ ہو۔

۸-ضروری ہے کہ ترجیحات کو ملحوظ رکھا جائے، اسی طرح علماء اور ائمہ کی ذمہ داری ہے کہ وہ مندرجہ ذیل امور کی طرف اقلیتوں کی توجہ مبذول کرائیں:

- اقلیتیں اپنے اپنے معاشروں میں پر امن اصلاح کا طریقہ اختیار کریں۔
- وہ اداروں کی تشکیل کے ساتھ ساتھ مردوں اور عورتوں کی تعمیر پر زیادہ زور صرف کریں (یعنی گھوڑے سے پہلے گاڑی کا انتظام کریں)۔
- وہ ملک کے حقیقی باشندوں کے معاملات میں دلچسپی لیں تا کہ مغربی ممالک کی قومیت اختیار کرنے والے مسلمانوں کے ساتھ ساتھ وہ بھی ایک پیغام کے حامل اور ایک امانت کے اہل ہوسکیں۔
- وہ اسلامی اتحاد نیز اقتصادی اور ابلاغی قوت کے حصول کے لئے جدوجہد کریں اور دوسروں کے ساتھ مذاکرات کے آغاز کے لئے کوشاں ہوں۔

۹-مغرب کے سلسلہ میں کوئی ایسا اجتہاد جائز نہیں جس میں مختلف اسلامی مسالک کی باہمی قربت کا لحاظ نہ رکھا گیا ہو، کیونکہ وہاں کے ہر ملک میں تمام فقہی مسالک پائے جاتے ہیں۔

لہذا مذاہب سے آراء کے انتخاب یا آزادانہ اجتہاد میں زیادہ سے زیادہ وسعت اختیار کرنے کی ضرورت ہے۔

۱۰-فتوی میں آسانی کا لحاظ اور اصلاح وتزکیہ میں تدریج کی رعایت پوری امت اور بطور خاص اقلیتوں کے سلسلہ میں کئے جانے والے اجتہاد کے لازمی اصولوں میں سے ہے، ایسی غیر ضروری احتیاط کا کوئی اعتبار نہیں جس سے آسانی کے تمام دروازے بند ہوجاتے ہوں۔

۱۱-مسلم اقلیتوں کو درپیش نئے مسائل کے سلسلہ میں صرف حکم لگا دینا کافی نہیں ہے بلکہ حرام یا مکروہ ہونے کا فتوی دیتے وقت مناسب شرعی متبادل کا ذکر بھی ضروری ہے تاکہ مسلمانوں کو محفوظ شرعی متبادل مل سکیں۔

۱۲-مسلمان اقلیتوں سے متعلق بہت سے ایسے مسائل ہیں جن کے بارے میں علماء نے بحث وتحقیق کی ہے اور مناقشہ کے بعد ان کے سلسلہ میں ایسے فتاوی جاری کئے ہیں جن میں ''مسلمان اقلیتوں کی فقہ'' سے متعلق اجتہاد کے منہجی ضوابط کی بھرپور رعایت کی گئی ہے۔ان میں سے چند مسائل یہ ہیں:

۱-سودی قرض پر مکانات کی خریداری

۲-نمازوں کے اوقات

۳-غیر مسلم رشتہ داروں کے جنازے میں شرکت

۴-کٹرینا طوفان کی زد میں آنے والے امریکیوں کی مالی مدد۔

یہ ایک کوتاہ قلم کا حقیر نقطۂ نظر ہے جو اختصار کے ساتھ پیش کردیا گیا ہے، میں اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ اگر میرا یہ اجتہاد درست سمت میں ہے تو اس پر دوہرا اجر عطا فرمائے اور اگر اس میں غلطی ہوئی ہے تو ایک اجر عطا فرمائے۔ارادہ کے پس پشت اللہ ہی کی مشیت کارفرما ہوتی ہے، وہی بہتر کارساز اور بہتر مددگار ہے۔

مصادر و مراجع

۱- قرآن کریم۔

۲- الأحکام السلطانیۃ والولایات الدینیۃ از ابوالحسن علی بن محمد الماوردی، دار الکتب العلمیۃ، تاریخ درج نہیں۔

۳- الأحکام الشرعیۃ للأحوال الشخصیۃ، از ڈاکٹر زکی الدین شعبان، منشورات جامعۃ قاریونس بنغازی، لیبیا، چھٹا ایڈیشن ۱۹۹۳ء۔

۴- الجامع الصغیر از جلال الدین عبدالرحمن السیوطی متوفی (۹۱۱ھ)، دار الارقم، تاریخ درج نہیں۔

۵- السیرۃ النبویۃ از ابن ہشام، مکتبۃ مصطفی البابی الحلبی ۱۹۹۵ء۔

۶- ارشاد الفحول الی تحقیق الحق من علم الاصول، از محمد بن علی الشوکانی المطبعۃ المنیریۃ، مصر۔

۷- أساس البلاغۃ، از زمخشری، طبع دار صادر، بیروت ۱۹۶۵ء۔

۸- الأشباہ والنظائر از جلال الدین عبدالرحمن بن ابی بکر بن محمد السیوطی متوفی (۹۱۱ھ مطابق ۱۵۰۵ء) دار الکتب العلمیۃ۔

۹- الأشباہ والنظائر از ابراہیم بن نجیم المصری متوفی (۹۷۰ھ)، دار الفکر المعاصر للطباعۃ والنشر والتوزیع ۱۹۹۹ء۔

۱۰- اصول الفقہ الاسلامی از ڈاکٹر عبدالمجید مطلوب، دوسرا ایڈیشن ۱۴۱۲ھ مطابق ۱۹۹۲ء۔

۱۱- الاعتصام بالکتاب والسنۃ از ابراہیم بن موسی اللخمی الغرناطی الشاطبی المالکی متوفی (۹۷۰ھ) مکتبۃ الریاض الحدیثۃ، تاریخ درج نہیں۔

۱۲- اعلام الموقعین عن رب العالمین از ابن القیم الجوزیۃ، تحقیق عصام الدین الصبابطی، دار الحدیث، پہلا ایڈیشن ۱۴۱۴ھ مطابق ۱۹۹۳ء۔

۱۳- الأم از امام محمد بن ادریس الشافعی (۱۵۰-۲۰۴ھ)، دار المعرفۃ، بیروت، دوسرا ایڈیشن ۱۳۹۳ھ۔

۱۴- انوار البروق فی انواع الفروق از ابوالعباس احمد الصنہاجی المشہور بالقرافی، عالم الکتب تاریخ درج نہیں۔

۱۵- تاریخ الامم والملوک از محمد بن جریر الطبری، دار ومکتبۃ الہلال، تاریخ اشاعت ۲۰۰۳ء۔

۱۶- تفسیر النسفی المسمی بمدارک التنزیل وحقائق التأویل از ابوالبرکات عبداللہ بن احمد بن محمود النسفی، دار الفکر۔

۱۷- حمایۃ حقوق الاقلیات فی القانون الدولی العام، از ڈاکٹر وائل احمد علام، دار النہضۃ العربیۃ، مصر، دوسرا ایڈیشن ۲۰۰۱ء۔

۱۸- درءتعارض العقل والنقل از ابن تیمیہ، تحقیق محمد رشاد سالم، دارالکنوز الادبیہ، ریاض۔

۱۹- الدلیل الارشادی الی مقاصد الشریعۃ الاسلامیۃ از ڈاکٹر محمد کمال امام، موسسۃ الفرقان للتراث الاسلامی، مرکز دراسات مقاصد الشریعۃ ۲۰۰۷ء۔

۲۰- الرحیق المختوم از صفی الرحمن مبارکپوری، دارالحدیث قاہرہ، تاریخ درج نہیں۔

۲۱- ردالمحتار علی الدرالمختار فی شرح تنویر الابصار المعروف بـ'' حاشیۃ ابن عابدین'' تالیف محمد امین بن عمر المشہور بابن عابدین متوفی (۱۲۵۲ھ مطابق ۱۸۳۶ء)، دارالکتب العلمیۃ۔

۲۲- روضۃ الناظر وجنۃ المناظر فی اُصول الفقہ از ابن قدامہ المقدسی، دارالکتب العلمیۃ۔

۲۳- سنن ابن ماجہ از حافظ ابوعبداللہ القزوینی، ابن ماجہ (۲۰۷-۲۷۵ھ)، تحقیق وتعلیق محمد فؤاد عبد الباقی، المکتبۃ العلمیۃ بیروت، لبنان، تاریخ درج نہیں۔

۲۴- سنن ابی داؤد از امام حافظ مصنف ابوداؤد سلیمان بن الاشعث السجستانی الأزدی (۲۰۲-۲۷۵ھ)، دارالریان للتراث، ودارالحدیث بالقاہرۃ، طبع ۱۴۰۸ھ مطابق ۱۹۸۸ء۔

۲۵- سنن الترمذی یعنی الجامع الکبیر از ابوعیسی بن سورہ (۲۰۹-۲۷۹ھ)، تحقیق احمد محمد شاکر، مکتبۃ مصطفیٰ البابی الحلبی، ۱۹۷۸ء، دوسرا ایڈیشن۔

۲۶- سنن الدارمی از عبداللہ بن عبدالرحمن بن الفضل بن بہرام التمیمی السمرقندی الدارمی، متوفی (۲۵۵ھ)، دارالکتاب العربی للطباعۃ والنشر۔

۲۷- شرح مختصر الروضۃ از طوفی، تحقیق عبداللہ الترکی، وزارۃ الشؤون الاسلامیۃ- دوسرا ایڈیشن ۱۴۱۹ھ۔

۲۸- صحیح البخاری بشرح السندی، داراحیاء الکتب العربیۃ، تاریخ درج نہیں۔

۲۹- صحیح مسلم از مسلم بن الحجاج، دارالحدیث، القاہرۃ، طبع اول ۱۴۱۵ھ مطابق ۱۹۹۴ء۔

۳۰- صناعۃ الفتوی وفقہ الاقلیات از شیخ عبداللہ بن بیہ، المرکز العالمی للوسطیۃ کی کانفرنس منعقدہ کویت مورخہ ۲۶-۲۸ رمئی ۲۰۰۷ء میں پیش کیا گیا مقالہ۔

۳۱- الطلاق عند المسلمین دراسۃ فقہیۃ قانونیۃ از ڈاکٹر محمد کمال امام، دارالمطبوعات الجامعیۃ مصر، طبع ۱۹۹۷ء۔

۳۲- غیاث الامم فی التیاث الظلم (الغیاثی)، از ابوعبدالملک بن عبداللہ الجوینی متوفی (۴۷۸ھ) تحقیق ڈاکٹر عبدالعظیم الدیب، مطابع الدوحۃ الحدیثۃ، ۱۴۰۰ھ۔

۳۳- الفاروق عمر بن الخطاب، از محمد رضا، دارالقلم للنشر والتوزیع، تاریخ درج نہیں۔

۳۴- الفتاوی الکبری از امام تقی الدین احمد بن عبدالحلیم ابن تیمیہ متوفی (۷۲۸ھ) دارالکتب العلمیۃ۔

۳۵- فتاوی معاصرہ از ڈاکٹر یوسف القرضاوی، دارالوفاء، طبع دوم ۱۴۱۴ھ مطابق ۱۹۹۳ء۔

۳۶- الفروق از ابو العباس احمد الصنہاجی المشہور بالقرافی، دار الکتب العلمیۃ، طبع اول ۱۴۱۸ھ۔

۳۷- الفقہ الاسلامی وادلتہ از ڈاکٹر وہبہ زحیلی، دار الفکر طبع سوم ۱۹۸۹ء

۳۸- فقہ الاولویات از ڈاکٹر یوسف القرضاوی، مکتبۃ وہبۃ، چھٹا ایڈیشن ۲۰۰۶ء۔

۳۹- فقہ المقاصد، إناطۃ لأحکام الشرعیۃ بمقاصدہا از ڈاکٹر جاسر عودہ، المعہد العالمی للفکر الاسلامی طبع اول ۲۰۰۶ء۔

۴۰- قانون الاحوال الشخصیۃ السوری رقم ۵۹ لسنۃ ۱۹۵۳ء والمعدل بالقانون رقم ۴۳ لسنۃ ۱۹۷۵، الفصل الخامس الوصیۃ الواجبۃ المادۃ ۲۵۷۔

۴۱- القانون الدولی العام فی السلم والحرب از ڈاکٹر الشافعی محمد بشیر، مکتبۃ الجلاء الحدیثۃ، المنصورۃ طبع سوم۔

۴۲- القانون اللیبی رقم ۷ لسنۃ ۱۴۲۳ من وفاۃ المرسول، المادۃ ۳۷۔

۴۳- قانون الوصیۃ الواجبۃ المصری رقم ۷۱ لسنۃ ۱۹۴۶ء۔

۴۴- قانون الوصیۃ الواجبۃ المصری رقم ۷۱ لسنۃ ۱۹۴۶ء الفصل السادس: الوصیۃ الواجبۃ المواد من ۷۶-۷۹۔

۴۵- الکامل فی التاریخ از علی بن عبد الواحد الشیبانی المعروف بابن الاثیر، دار الکتب العلمیۃ بیروت، طبع اول ۱۹۸۷ء۔

۴۶- کنز العمال از علاء الدین علی المتقی بن حسام الدین الہندی متوفی (۹۷۵ھ)، مؤسسۃ الرسالۃ ۱۴۱۳ھ موافق ۱۹۹۳ء۔

۴۷- الملؤلؤ والمرجان فیما اتفق علیہ الشیخان از محمد فواد عبد الباقی، المکتبۃ الاسلامیۃ ترکی۔

۴۸- لسان العرب از علامہ ابن الفضل جمال الدین محمد بن مکرم ابن منظور الافریقی المصری، دار الفکر طبع اول ۱۴۱۰ھ مطابق ۱۹۹۰ء۔

۴۹- اللمع فی أصول الفقہ از ابو اسحاق ابراہیم بن علی الشیرازی الفیروزآبادی الشافعی متوفی (۴۷۶ھ)، دار الکتب العلمیۃ، طبع دوم ۲۰۰۳ء۔

۵۰- مبادئ القانون الدولی العام از محمد حافظ غانم، دار النہضۃ العربیۃ، القاہرہ، طبع سوم ۱۹۷۲ء۔

۵۱- مدونۃ الاحکام الشخصیۃ المغربیۃ، الجریدۃ الرسمیۃ عدد ۲۳۵۴ بتاریخ ۱۲/۶/۱۹۵۷ء الوصیۃ الواجبۃ فی لمواد من ۲۶۶-۲۶۹۔

۵۲- المرکز الدولی للأقلیات فی القانون الدولی العام مع المقارنۃ بالشریعۃ الاسلامیۃ از السید محمد جبر، منشأۃ المعارف، لإسکندریۃ ۱۹۹۰ء۔

۵۳- مشارکۃ المسلمین فی الانتخابات الأمریکیۃ وجوبہا وضوابطہا الشرعیۃ از ڈاکٹر صلاح سلطان، سلطان للنشر، طبع اول ۲۰۰۴ء۔
۵۴- معجم الطبرانی الکبیر از امام طبرانی، مطبعۃ الامۃ بغداد، تاریخ درج نہیں۔
۵۵- المعجم الوسیط من إنتاج مجمع اللغۃ العربیۃ بالقاہرۃ طبع دار المعارف۔
۵۶- مقاصد الشریعۃ الاسلامیۃ دراسات فی قضایا المنہج وحالات التطبیق تحریر ڈاکٹر محمد سلیم العوا، مؤسسۃ الفرقان للتراث الإسلامی، مرکز دراسات مقاصد الشریعۃ طبع اول ۲۰۰۶ء۔
۵۷- منہج عمر بن الخطاب دراسۃ مستوعبۃ لفقہ عمر بن الخطاب وتنظیماتہ از ڈاکٹر محمد بلتاجی حسن، دار الشہاب ۱۹۹۸ء۔
۵۸- الموافقات فی أصول الشریعۃ تالیف ابراہیم بن موسی اللخمی الغرناطی الشاطبی المالکی متوفی (۷۹۰ھ) تحقیق عبداللہ دراز، دار المعرفۃ بیروت۔
۵۹- موسوعۃ فقہ عمر بن الخطاب از ڈاکٹر محمد رواس قلعہ جی، مکتبۃ الفلاح بالکویت، طبع اول ۱۴۰۱ھ مطابق ۱۹۸۱ء۔
۶۰- المیراث عند الجعفریۃ مع ترجمۃ السید امام ابوعبداللہ جعفر الصادق علیہ السلام از شیخ محمد ابوزہرہ، طبع طہران ۱۴۰۴ھ مطابق ۱۹۸۴ء۔
۶۱- نیل الاوطار من أحادیث سید الأخیار شرح منتقی الأخبار از شیخ امام محمد بن علی بن محمد الشوکانی، دار القلم بیروت، تاریخ درج نہیں۔
۶۲- الوجیز فی أحکام الأسرۃ الإسلامیۃ از ڈاکٹر عبدالمجید مطلوب رحمہ اللہ، دار الصحوۃ العربیۃ ۱۴۱۴ھ مطابق ۱۹۹۳ء/ ۱۹۹۴ء۔